جلد 16 شمارہ 8 ماہ اگست 2014ء شوال 1435ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت اللہ محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ماسواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لاحاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد
خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ
بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ
بانی مجلہ فلاح آدمیت

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ
مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ
Ph: 0344-9000042 / 055-3862835
ای میل: info@tauheediyah.com
Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ -/30 روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ -/300 روپے

اس شمارے میں

درس حدیث : تعصب مسلمانوں کا شیوہ نہیں

〈مولانا فضل الرحیم〉

"حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی وجہ سے ایک دوسرے سے لڑے اور وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بناء پر مرے۔" (رواہ ابو دائود)

عصب کا لفظی معنی ہے "بدن کا پٹھہ" اور عصبہ عربی زبان میں والد کی طرف کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں کیونکہ معاشرہ میں عموماً ددھیال (باپ کے رشتہ دار) کو ہی خاندان کی تقویت کا معیار سمجھا جاتا ہے اور انہی رشتہ داروں کی طاقت کو اگلی نسل اپنی طاقت سمجھتی ہے اسلئے عصبیت اور تعصب کا مفہوم اہل لغت نے یہ بیان کیا ہے کہ "اپنے آباؤ اجداد اور اپنی قوم پر فخر کرنا، ان کی حمایت کرنا" لیکن اسلامی اصطلاح میں تعصب کا مفہوم رسول اکرم ﷺ نے واضح الفاظ میں بیان فرمایا، جب واثلۃ بن الاسقعؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! ما العصبیہ (عصبیت کیا ہے) فرمایا ان تعین قومک علی الظلم (عصبیت یہ ہے کہ تو ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرے)۔

اسلامی احکام کے مطابق خاندان، قبیلوں، برادریوں، ذاتوں، علاقوں، صوبوں اور شہروں کی تقسیم اور ان کی بناء پر انسانوں کی تقسیم خلاف فطرت نہیں، بلکہ فطرت کے عین مطابق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ (الحجرات:13)

خاندان، برادری، اور وطنی و لسانی تقسیم خلاف فطرت اور خلاف اسلام نہیں لیکن آج اس کا غلط استعمال ہو رہا ہے۔ اس تقسیم کا مقصد اللہ تعالیٰ نے **"لتعارفوا"** بتایا یعنی اس تقسیم

کے ذریعہ لوگ ایک دوسرے کی شناخت کر سکیں کہ یہ شخص فلاں ملک میں سے فلاں صوبہ کے فلاں شہر کے فلاں قبیلہ اور برادری کے فلاں خاندان سے ہے لیکن اب یہ تقسیم تعصب کے لئے استعمال ہونے لگی ہے یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنے خاندان یا اپنی قوم سے محبت رکھنا عصبیت میں داخل نہیں۔ مسند احمد اور ابن ماجہ میں عبادۃ بن کثیر شامی سے ایک فلسطینی عورت فسیلہ نامی کی اپنے والد سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ آدمی اپنی قوم سے محبت کرے تو کیا یہ عصبیت میں داخل ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی حمایت کرے حالانکہ وہ قوم ظلم کر رہی ہو۔"

اگر اپنی قوم پر ظلم ہو رہا ہو تو اپنی قوم کی طرف سے ایک حد تک دفاع کرنا بھی جائز ہے اور ابو داؤد میں سراقہ بن مالک بن جعشم ؓ سے روایت ہے کہ "ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے خاندان کی طرف سے (ظلم کی) مدافعت کرے جب تک وہ اس دفاع میں گناہ کا مرتکب نہ ہو" یعنی اپنی قوم، اپنے خاندان پر ہونے والے ظلم کا دفاع کر سکتا ہے لیکن اس میں بھی اپنی طرف سے ظلم نہ ہونے دے۔

اسلام میں ایک خاندان کو دوسرے خاندان کے نسب کی وجہ سے برا نہیں کہا جا سکتا ارشاد نبوی ﷺ ہے۔"نسب ایسی چیز نہیں کہ تم ان کی وجہ سے کسی کو برا کہو" (رواہ احمد) اسی طرح آپ ﷺ نے اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرنے سے بھی منع فرمایا قومی، نسلی اور علاقائی تعصب آج جس تیزی سے آگ کی طرح پھیل رہا ہے یہ محض اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے اللہ رب العزت نے قوم، خاندان اور قبیلوں کی تقسیم کا مقصد محض تعارف بتایا۔ عزت اور بزرگی کا معیار پرہیزگاری ہے۔

لہٰذا آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ ہر قسم کے تعصب سے ذہنوں کو پاک کر کے صرف یہ بات ذہن نشین کی جائے کہ عزت و ذلت کا معیار تقویٰ ہے اللہ رب العزت ہمیں ہر طرح کے تعصب سے اور اس کے بھیانک نتائج سے محفوظ فرمائے۔

تزکیۂ اخلاق اور قوت برداشت

(خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

هر وہ شے جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے راہ سلوک کی رکاوٹ ہے۔ ترقی اسی وقت ہوتی ہے اور روحانی طاقت اسی وقت بڑھتی ہے جب کہ راستے کی رکاوٹوں کو قوت ارادی کی طاقت سے ٹھکرا کر دور کر دیا جائے۔ راستہ کی رکاوٹیں صرف مصائب و آلام ہی نہیں، عیش و آرام اور دولت و ثروت زیادہ خطرناک رکاوٹیں ہیں۔ یہ سالک کو اللہ کی طرف سے بہت جلد غافل کر دیتی ہیں۔ اس لئے جس کے پاس دولت و ثروت نہ ہو اس کو رنجیدہ نہ ہونا چاہیے بلکہ شکر کرنا چاہیے کہ اللہ نے اس کو ایسی مہلک آزمائش اور رکاوٹ سے محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن جن لوگوں کو اللہ نے دولت دی ہے ان کو ڈرنا اور ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے کہ کہیں یہ سنہری ہتھکڑیاں اور بیڑیاں اس کو خدا کے ساتھ ملنے سے باز نہ رکھیں۔ جس طرح سالک مصائب کے اثرات سے دل کو محفوظ رکھتا ہے اسی طرح دولت کا اثر بھی دل و دماغ پر ہرگز نہ ہونے دے۔ دولت بری شے نہیں اگر اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے۔ اس میں سے اگر اللہ کو قرض حسنہ دیا جائے تو اللہ تعالیٰ سینکڑوں گنا زیادہ کر کے واپس کرتا ہے۔ البتہ اگر اس کو لہو و لعب اور بدکاری پر اُڑایا جائے تو پھر یہ فتنۂ عظیم ہے خدا کا قرب و عرفان تو بہت بڑی بات ہے ڈر ہے کہ ایسے لوگوں کو جنت بھی شاید ہی ملے۔ اس لئے دولت کو برے کاموں میں ہرگز خرچ نہ کرو، نہ اس پر غرور و تکبر کرنے لگو۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور یہی دُعا کرتے رہو کہ وہ تمہیں دولت کے شر سے محفوظ و مامون رکھے اور نیک کاموں میں خرچ کرنے بالخصوص غریبوں کی مدد کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قوت برداشت: قوت برداشت پیدا کرنے کی ایک آسان ترکیب یہ ہے کہ غصہ اور نفرت کو بالکل نفی کر دیا جائے۔ غصہ ہمیشہ ایسی بات پر آتا ہے جو ناگوار ہو اور نفرت

اسی چیز سے ہوتی ہے جو بری لگے۔اس طرح کسی بات کے ناگوار ہونے یا بری لگنے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ اس کو برداشت نہیں کرسکتے۔دن میں متعدد بار ایسے واقعات ہوتے ہیں جو انسان کو ناگوار گزرتے ہیں اس لئے دن کا بیشتر حصہ جلنے کڑھنے اور غصہ کرنے میں صرف ہوجاتا ہے۔سکون نصیب نہیں ہوتا۔جن لوگوں کو ہر وہ بات بری لگتی ہے جو ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی ان کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے اور وہ کوئی مفید کام کرنے کے قابل نہیں رہتے۔اس لئے سکون اور اطمینان قلب حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنی اس عادت کی اصلاح کرے اور کم از کم چھوٹی چھوٹی باتوں پر برا ماننا، منہ پھلانا، ناک بھوں چڑھانا اور چیں بہ جبیں ہونا چھوڑ دے۔اس پر بھی اگر غصہ آجائے تو غصہ اُتر جانے کے بعد یہ سوچنا اور غور کرنا چاہیے کہ آپ کو غصہ کرنے سے فائدہ ہوا۔بار بار غور کرنے اور سوچنے سے آپ کو محسوس ہونے لگے کہ غصہ کرنے سے تو کچھ نہیں ہوتا، دل و دماغ البتہ پریشان ہوجاتے ہیں اور طبیعت کافی عرصہ تک بد مزہ رہتی ہے۔یہ بات نفرت پر صادق آتی ہے۔جن چیزوں یا آدمیوں سے آپ کو نفرت ہوتی ہے ان کا کچھ بگڑتا نہیں، خود آپ ہی کے دل و دماغ کو تکلیف ہوتی ہے۔اگر اس نقطہ نظر سے کافی عرصہ تک آپ غور کرنے کی عادت ڈال لیں تو بعد میں آپ کو خود اپنے اوپر ہنسی آنے لگے گی کہ کن فضول باتوں پر پریشان ہوکر خود اپنے آپ کو بے وجہ تکلیف پہنچاتے رہے ہیں۔

جب چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ آنا بند ہوجائے اور معمولی معمولی چیزوں سے نفرت جاتی رہے تو سمجھنا چاہیے کہ قوت برداشت ترقی کررہی ہے۔اس کے بعد بڑی بڑی باتوں پر غصہ اور نفرت کی نفی کرنا چاہیے۔یہاں تک کہ نفرت کا جذبہ جاتا رہے صرف ناپسندیدگی باقی رہ جائے۔یاد رکھیے کہ غصہ جو ایک فطرتی جذبہ ہے بالکل تو نفی نہیں ہوگا تاہم کنٹرول اور قابو میں آجائے گا۔اکثر اہل حلقہ مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ کبھی کبھی آپ کو بھی تو غصہ آجاتا ہے۔ان کا یہ کہنا درست ہے۔لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ غصہ صرف میری آواز اور چہرے ہی سے ظاہر ہوتا ہے میرے دل و دماغ پر غصہ کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا۔بالکل اسی طرح جیسے طوفان کے وقت

سمندر کی صرف سطح متلاطم ہوتی ہے نیچے تہہ پر کامل سکون ہوتا ہے۔اگر کسی شخص کو یہ عادت پڑ جائے تو اسے حق ہے کہ ضرورت پڑنے پر غصہ کا اظہار کرلیا کرے۔ ہمارے حلقے کے بہت سے آدمی آفیسر ہیں اوران کو اپنے ماتحتوں سے کام لینا پڑتا ہے۔اگر ماتحت نرمی سے نہ مانیں تو اس وقت اوپری دل سے ڈانٹ ڈپٹ اور غصہ کا اظہار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔میں نے تعمیر ملت میں صاف صاف تو لکھ دیا ہے کہ غصہ ایک فطرتی جذبہ ہے جو بالکل نہیں مرتا قابو میں ضرور آجاتا ہے لیکن یہ بات اس کو بالکل نفی کرنے کی کوشش ہی سے حاصل ہوسکتی ہے۔اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی بات جس پر غصہ قدرتاً آنا چاہیے اس پر غصہ ضرور آتا ہے لیکن وہ آپ کے دل و دماغ اور عقل کو اس قدر متاثر نہیں کرسکتا کہ آپ کوئی ناجائز یا نقصان دہ حرکت کر بیٹھیں۔

اس تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے کوئی شخص آپ کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے آپ کو غصہ نہیں آنا چاہیے۔ بلکہ جواباً اس کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا سلوک کرنا چاہیے۔ہاں جب معاملہ آپ کی ذات سے گزر جائے اور آپ کی خاندانی، قومی یا مذہبی عزت پر زد پڑتی ہو، اس وقت غصہ آجائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن اس وقت بھی غصہ اس حد تک قابو میں رہنا چاہیے کہ کوئی غیر قانونی یا غیر شرعی حرکت ہرگز سرزد نہ ہونے پائے۔ آپ اپنے ناموس اور قومی و مذہبی عصمت و عزت کا دفاع کرنے کے لئے ہر ایسا قدم اُٹھا سکتے ہیں جو شرعاً اور قانوناً جائز ہو۔آپ روزانہ اخبارات میں ایسی خبریں پڑھتے رہتے ہیں کہ فلاں نے فلاں کو دو چار روپے کیلئے جان سے مار ڈالا۔اپنی مستورات کے متعلق ذرا سے شبہ پر کئی آدمیوں کو قتل کر ڈالا یا پورے خاندان کا صفایا کردیا۔گھر کو آگ لگا دی یا خودکشی کرلی۔ یہ سب حرکات معاشرہ کیلئے بے حد تباہ کن ہیں اور محض اس وجہ سے ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ آدمیوں کو ذرا ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے اوران کی عقل ماری جاتی ہے۔افسوس تو یہ ہے کہ اخبارات ایسی خبروں کو بڑی بڑی جلی سرخیوں سے خوب نمایاں طور پر شائع کرتے ہیں۔شاید ان اخبارات کے ناشر یہ سمجھتے ہوں کہ اس طرح لوگوں کو عبرت ہوگی اور یہ جرائم کم کریں گے۔لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے۔

نصیحت اور عبرت تو دو چار پڑھے لکھے لوگوں ہی کو آتی ہوگی البتہ جہلا کو ایسے جرائم کے ارتکاب پر جسارت ضرور ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کوئی شخص دوسرے کے متعلق کسی بری بات کو بلند آواز سے (اعلانیہ) بیان کرے۔''

یہ نعوذ باللہ بیکار تو نہیں فرمایا۔سمجھنا چاہو تو موٹی سی بات ہے کہ آدمی جو کچھ سنتا ہے یا دیکھتا ہے وہی سیکھتا ہے۔اس لئے یقینی ہے کہ بری باتیں کان میں پڑیں گی تو بری باتیں سیکھو گے،اچھی باتیں سنو گے تو اچھی باتیں سیکھو گے۔

غصہ اور نفرت کی نفی کرنے سے قوت برداشت بڑھتی ہے۔جو دنیوی،دینی اور روحانی ترقی کیلئے ناگزیر اور اعلیٰ ترین کردار انسانی پیدا کرنے کیلئے ایک اہم ترین صفت ہے۔

قوت برداشت کیوں ایک اہم ترین صفت ہے؟اس لئے کہ یہ انسان کی عقل کو ایسے نازک سے نازک موقعوں پر محفوظ اور قائم رکھتی ہے جب کہ جذبات کا تلاطم برپا ہوتا ہے۔جن کی عقل جذبات سے مغلوب ہو جاتی ہے ان سے اضطراراً ایسی حرکتیں سرزد ہو جاتی ہیں جو ان کی اور ان کے خاندان کی تباہی کا باعث ہوتی ہیں اور معاشرہ میں بھی فساد برپا کرتی ہیں۔انسان کی فضیلت اور شرافت دوسری مخلوق پر صرف عقل کی وجہ سے ہے۔اس لئے جب انسان جذبات سے مغلوب ہو جائے اور اسکی عقل جاتی رہے اس وقت وہ ارذل مخلوقات ہوتا ہے۔اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ جذبات بری یا بیکار شے ہیں۔جذبات نہ ہوں تو عمل ساقط ہو جاتا ہے۔دنیا میں جو کچھ ترقی اور چہل پہل نظر آتی ہے یہ سب جذبات ہی کی کارفرمائی ہے۔لیکن جذبات اس وقت تک مفید اور کارآمد ہوتے ہیں جب تک عقل کی پاسبانی اور راہنمائی میں رہیں۔مثال کے طور پر محبت کے جذبے کو لیجئے۔یہ کتنا پاک اور شریفانہ جذبہ ہے۔یہ نہ ہو تو دنیا میں امن و امان ہی قائم نہیں رہ سکتا۔امن و امان تو رہا ایک طرف،نوع انسانی اور دوسری مخلوقات کی پیدائش اور

بقاء بھی اسی جذبہ سے ہے۔والدین خصوصاً ماں کو جو محبت اپنے بچوں سے ہوتی ہے اسی کی وجہ سے وہ سو تکلیفیں اُٹھا کر ان کی پرورش کرتی ہے۔حیوانات میں بھی ہر مادہ اپنے بچوں کو محبت ہی کی وجہ سے پالتی ہے۔محبت نہ ہو تو تمام مخلوق کی نسلیں تباہ ہو کر رہ جائیں۔لیکن یہی محبت کا جذبہ اگر عقل کی رہنمائی سے محروم ہو جائے تو ایک کمینہ جذبہ بن کر رہ جاتا ہے۔زنا جیسا جرم اور گناہ جس کا کوئی کفارہ ہی نہیں ایسی حالت میں سرزد ہوتا ہے جب کہ جذبہ ہی جذبہ باقی رہے اور عقل جاتی رہے۔زنا کے برے نتائج جو زانی اور معاشرے کو بھگتنے پڑتے ہیں ان کا خیال کرنے سے عقل مندوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔جتنے قتل زنا کی وجہ سے ہوتے اور جتنے گھر اس کی وجہ سے اُجڑتے ہیں،اور کسی وجہ سے برباد نہیں ہوتے۔اس کے علاوہ اگر پاکبازی بھی باقی رہے تو یہی جذبہ محبت جب اپنی حد سے بڑھ کر عشق بن جاتا ہے اور عشق بھی جب اوسط سے زیادہ ہو جائے تو جنون اور پاگل پن میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ایسے عشق سے نہ عاشق کو کوئی فائدہ ہوتا ہے نہ محبوب کو۔انجام رسوائی اور تباہی کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا۔

اسی طرح غیرت کا جذبہ ہے۔یہ جذبہ بھی بے انتہا شریفانہ ہے اگر جذبہ غیرت نہ ہو تو انسان اپنی عورتوں کی عصمت اور اپنے خاندان اور مذہب کی عزت کو بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا۔لیکن اس جذبہ کے سر سے بھی جب عقل کا سایہ اُٹھ جاتا ہے تو لوگ ذرا ذرا سی فضول رسموں ، بیکار باتوں اور بے بنیاد شبہات پر ایک دوسرے کے گلے کاٹنے لگتے ہیں۔ایسی حمیت وغیرت کی ایک مثال وراثتی انتقام ہے جب کہ ایک شخص اپنے باپ دادا کے قتل کا بدلہ قاتل کے بیٹے یا پوتے کو قتل کر کے لیتا ہے حالانکہ وہ بالکل معصوم اور بے گناہ ہوتے ہیں۔ایسی غیرت کو مذہب نے الحمیۃ الجاہلیت کے نام سے یاد کیا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کو اس شر سے پاک فرمائے (آمین)

الغرض! کسی جذبہ کی تحلیل نفسی کیجئے اور کسی پہلو سے دیکھئے نتیجہ یہی نکلے گا کہ جذبات جب تک عقل کے تابع رہیں مفید اور تعمیری رہتے ہیں۔جہاں عقل کی پاسبانی سے محروم ہوئے تخریبی اور تباہ کن بن جاتے ہیں۔میری اس بات سے آپ کو سیکھنا چاہیے کہ جذبات کو ہمیشہ

قابو میں رکھیں اور عقل کی روشنی میں ان سے کام لیں ۔مگر یہ بھی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ صبر یعنی برداشت کی قوت آپ کے اندر بدرجہ اولیٰ پیدا نہ ہو جائے ۔اِنَّ اللّٰہ مع الصابرین کا یہی مطلب ہے کہ اللہ انہی کے ساتھ ہے جو قوت برداشت رکھتے ہیں اور عقل کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔

اعلیٰ کردار اور اخلاق پیدا کرنے کے لئے اور بھی کئی صفات ضروری ہیں مگر یہاں صرف دو باتوں کا ذکر کرونگا۔اگر یہ دو باتیں پیدا کر لی جائیں تو باقی محاسن اخلاق خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں وہ دو باتیں یہ ہیں: **ایک وقت اور وعدے کی پابندی، دوسرے انکسار۔**

میں اپنے اہل حلقہ کا اکثر جائزہ لیتا رہتا ہوں اور اس وقت یہ بیان کرنے میں مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔کہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ ! ہمارے حلقہ والوں کا اخلاق عام مسلمانوں سے کہیں افضل واعلیٰ ہے۔میں نے اکثر آدمیوں کو ان کے اخلاق کی تعریف کرتے سنا ہے۔خصوصاً جب ہمارا کوئی بھائی برائی کا بدلہ نیکی اور گالیوں کا جواب مسکراہٹ اور دُعا سے دیتا ہے تو سننے والے یہی کہتے ہیں کہ "**سبحان اللہ** ! اس دور میں بھی ایسے مسلمان باقی ہیں"۔مگر ایک بات کو دیکھ کر مجھے بہت افسوس اور دکھ ہوتا ہے۔وہ یہ کہ اہل حلقہ میں اکثر آدمی ایسے ہیں جو وقت اور وعدے کی پابندی بالکل نہیں کرتے۔تاہم مجھے اعتراف ہے کہ ہمارے فوجی بھائی تربیت کی وجہ سے وقت کی پابندی تو کرتے ہیں لیکن وعدے کے پابند تو ان میں بھی بہت کم لوگ ہیں۔سول والوں کا تو کہنا ہی کیا! وہ نہ تو وقت کے پابند ہیں نہ وعدے کے **اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ۔**

وقت اور وعدے کی پابندی کردار انسانی کی عمارت میں سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔یہ نہ ہو تو اور خوبیوں پر بھی پانی پھر جاتا ہے۔وقت کی پابندی سے انضباط عمل پیدا ہوتا ہے جس کے بغیر کوئی سکیم اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔پانچ وقت کی نماز بہ آواز بلند آپ کو پکار پکار کر پابندیٔ وقت کا سبق یاد دلاتی ہے۔لیکن جو لوگ وقت پر نماز ہی ادا نہیں کرتے ان سے کیا اُمید ہو سکتی ہے کہ اور کاموں میں وقت کی پابندی کریں گے۔ جو آدمی وقت کا پابند نہیں ہوتا

وہ قدرتاً اپنے اعمال و افعال میں سست ہوتا ہے اور سستی اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔ وہ سست آدمیوں کے کاموں میں کبھی برکت نہیں دیتا۔ اس لئے آپ اچھی طرح دل میں بٹھا لیجئے کہ وقت کی پابندی نہ کرکے آپ اپنی دنیا کا بھی نقصان کرتے ہیں اور دین کا بھی۔

وعدے کی پابندی بھی اتنی ہی ضروری ہے۔ حلقہ کی تعلیم میں صداقت کا اختیار کرنا ایک ضروری شرط ہے اور اس پر آپ سے بیعت بھی لی جاتی ہے۔ طریقت توحیدیہ میں جسم انسانی کے ہر عضو کی صداقت کا مفصل بیان کرکے بتایا گیا ہے کہ زبان کی صداقت یہ ہے کہ کبھی جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ کبیرہ گناہ کرکے یہ اُمید رکھنا کہ آپ کو خدا کا قرب میسر آئے گا۔ کس قدر مضحکہ خیز بات ہے۔ ایفائے عہد کے متعلق بھی قرآن میں نص صریح موجود ہے۔

وَأَوْفُواْ بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُولاً (بنی اسرائیل 34)

ترجمہ: ''وعدہ پورا کیا کرو، قیامت کے دن اس کی بابت پوچھا جائے گا۔''

اس نص صریح کی خلاف ورزی کرتے ہوئے یہ اُمید رکھنا کہ آپ ولی اللہ بن جائیں گے انتہائی خودفریبی ہے۔ تعمیر ملت اور طریقت توحیدیہ میں یہ سب لکھا ہوا ہے لیکن آپ نہ یہ پڑھتے ہیں نہ وہ۔

انکساری بھی تعمیر کردار کیلئے ایک بہت ہی اہم صفت ہے مگر جیسا کہ عام لوگ سمجھتے ہیں۔ انکساری کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو دوسروں سے ذلیل و حقیر سمجھیں۔ ایسا خیال کرنا بھی انتہائی غلامانہ ذہنیت کی علامت ہے۔ ایسی ذہنیت کے لوگ شرافت سے بالکل معریٰ ہوتے ہیں ان کا کردار کبھی بھی اعلیٰ درجے کا نہیں بن سکتا۔ ایسے لوگوں میں بہت سی کمینہ خصلتیں ہوتی ہیں۔ یہ لوگ خوشامدی، چغل خور اور اوّل درجے کے بے غیرت ہوتے ہیں۔ دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی اور جب یہ عادتیں دل میں گھر کرلیتی ہیں تو بھیک مانگنے اور چوری کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ آپ کا پہلا شرف یہ ہے کہ آپ انسان ہیں اور دوسرا شرف یہ ہے کہ آپ مسلمان ہیں (بشرطیکہ آپ اسلام کی تعلیم پر عمل بھی کرتے ہوں) ان دو شرافتوں کے ہوتے ہوئے اپنے آپ کو حقیر و ذلیل سمجھنا کسی طرح بھی جائز و مناسب نہیں۔

انکساری یہ بھی نہیں ہے کہ آپ لوگوں سے بات کرتے وقت مسمسا سامنہ بنالیں اور آنکھیں جھکا کر عاجزی سے بات کریں اور جس سے باتیں کررہے ہیں اس کو اپنے سے حقیر و ذلیل سمجھ رہے ہوں۔یہ تو ظاہرداری بلکہ ریاء کاری ہے۔

انکساری تو یہ ہے کہ آپ کے دل میں غرور و تکبر بالکل نہ ہو۔دل سے دوسروں کی عزت کریں۔خاطر داری اور تواضع سے پیش آئیں اور کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے دوسروں کی دل شکنی ہوتی ہو۔غرور و تکبر انسان کو دوسروں کی نظر سے گرا دیتا ہے اور لوگ کسی ظاہری لالچ یا خوف سے اس کی تعریف ہی کیوں نہ کریں دل سے اس کو اچھا نہیں سمجھتے۔

جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس کو پڑھ کر شاید آپ کے دل میں اعتراض پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ ہم نے تم میں سے بعض آدمیوں کو دوسرے آدمیوں پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں پر اللہ نے ہمیں فضیلت دی ہے ان کو ہم اپنے سے حقیر و ذلیل کیوں نہ سمجھیں یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کسی کو حقیر و ذلیل سمجھنا اور بات ہے لیکن کسی کو اپنے سے کمتر یا برتر جاننا بالکل دوسری بات ہے۔ فضیلت کی بہت سی چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں۔اگر آپ کو کسی پر یا کسی کو آپ پر فضیلت حاصل ہے تو اس قسم کی فضیلت کو ضرور ماننا چاہیے۔اور جتنی کسی کو فضیلت حاصل ہوا تنا ہی اس کا ادب اور پاس ولحاظ کرنا چاہیے۔اور جن چیزوں میں اللہ نے آپ کو دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے اس کا صحیح احساس و عرفان بھی آپ کو ہونا چاہیے۔یہی نہیں بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اگر آپ کسی سے اس کا ذکر بھی کریں تو کوئی مضائقہ نہیں بلکہ عین منشائے خداوندی کے مطابق ہے۔یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس کا فائدہ اسی حالت میں ہوسکتا ہے جب کہ آپ ان باتوں پر عمل کریں ورنہ اس کان سننے اور اس کان اُڑا دینے سے کبھی بھی کسی کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا۔

(اقتباس از چراغ راہ۔ خطبہ ۔۴)

نقوشِ مہر و وفا

مرتب :سید رحمت اللہ شاہ

کسی بھائی نے اپنے خط میں لکھا کہ جب سے میں بیعت ہوا ہوں، میری مشکلات میں اضافہ ہوگیا ہے۔ میرے گھر والے میری مخالفت کرتے ہیں کہ جب سے تم ذکر کرنے لگے ہو تمہاری ترقی رُک گئی ہے۔ اس بھائی نے یہ بھی پوچھا کہ کیا بیعت ہونے کیلئے والدین کی اجازت ضروری ہے؟۔ قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحبؒ نے فرمایا کہ ذکر اس لئے تو نہیں ہوتا کہ رکاوٹ ڈالے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ماں باپ سے اجازت لی جائے۔ اپنا اپنا ذوق ہے، شوق ہے، بالغ آدمی ہیں۔ آپ کو شوق ہے تو آپ کرسکتے ہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ ماں باپ اجازت دیں۔ پتہ نہیں! انہیں ذکر کا شوق ہے بھی یا نہیں ہے۔ نماز روزے کا بھی شوق ہے یا نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ میں بیعت ہو کر یہ ہو جاؤں گا!!! تو مت بیعت ہوں۔ اگر آپ خلوص سے بیعت ہوں گے تو اللہ دنیا کے کام بھی سنوار دے گا۔ اگر آپ مجھ سے اس لئے بیعت ہوتے ہیں کہ مالی حالات سنور جائیں گے تو مت بیعت ہوں۔ مجھ میں ایسی کوئی طاقت نہیں ہے ایسی عبادت اللہ کیلئے نہیں ہوتی۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی نوازشیں ہوں۔ جو اللہ کا کام کرتا ہے، اللہ اللہ کرتا ہے، جس جگہ اللہ کا ذکر ہوتا ہے، جس جگہ پر اللہ کے نیک بندے بیٹھتے ہیں۔ وہ جگہ برکت والی جگہ ہے۔ ان کے وجود سے بھی برکت ملتی ہے۔ لیکن یہ اس لئے نہیں ہے کہ آپ اس میں آئیں ہی اس لئے کہ ہمارے حالات سنور جائیں گے۔ یہ نچلی سطح کی سوچ ہے۔

بندہ خالصتاً اللہ کی محبت کے حصول کیلئے سلسلہ میں آئے اور محافل ذکر میں شریک ہو۔ ظاہر ہے کہ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں، اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے پاس ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے کام میں لگ جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ یہ اپنی جگہ سب کچھ درست ہے۔ قرآن میں بھی لکھا ہے کہ جو ہمارے کام میں لگ جاتا ہے،

اللہ اس کے کام میں لگ جاتا ہے۔اللہ سے محبت کے اظہار کے بہت سے طریقے ہیں۔بہرحال جو اللہ کیلئے وقت کی قربانی دیتے ہیں اور جو اللہ کے کام کیلئے،اس مشن کیلئے،زیادہ ٹائم Devote کر دیتے ہیں،،اللہ ان کے بھی دنیوی کاموں میں آسانیاں پیدا کر دیتا ہے۔یہ بات اپنی جگہ درست ہے۔لیکن بیعت ہی اس لئے ہونا کہ دنیا سنور جائے گی،لازم نہیں۔بانیٔ سلسلہؒ نے بھی طریقتِ توحیدیہ میں تحریر کر دیا ہے کہ یہ تعلیم پڑھ لیں،یہ سب کچھ آپ کو کرنا ہے،کر سکتے ہیں تو آجائیں نہیں تو بے شک نہ آئیں کوئی زبردستی نہیں اسلئے تعلیم میں یہ شرط رکھ دی گئی ہے کہ نئے آنے والے بھائی کو چھ ماہ تک بیعت نہیں کیا جاتا۔تاکہ وہ یہ اچھی طرح سمجھ لے کہ وہ تعلیمات پر چل سکتا ہے یا نہیں۔اگر بندہ ایسا ہے جو شروع ہی میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈر جائے تو بعد میں کیا کرے گا؟راہِ سلوک میں تو مختلف اور شدید قسم کی رکاوٹیں آتی ہیں۔سالک کی ثابت قدمی سے سب کچھ آسان ہو جائے گا بلکہ باباجیؒ کا سلیبس جو آپ نے مرتب کیا ہے یہ وقت کے مطابق آسان ترین سلوک کی تعلیم ہے اور تعلیم آسان لگنی بھی چاہیے۔پرانے طریقوں کو آپ پڑھیں کہ کتنی محنت کراتے تھے،کتنے کتنے سخت مجاہدے کراتے تھے،اس لحاظ سے یہ واقعی آسان ہے،اس میں کوئی بھی زیادہ مشکل نہیں ہے۔ باباجیؒ نے لکھا ہے کہ مجھے جو مرشد نے بتایا تھا وہ میں ساری رات کرتا تھا پورا نہیں ہوتا تھا،نتیجہ بھی لکھا ہے کہ میں دو دفعہ فیل ہو گیا۔ایسے نالائق تو نہ تھے کہ میٹرک میں دو دفعہ فیل ہو گئے تھے۔اپنے مرشد کے بتائے ہوئے ذکر کو چھوڑ نہیں سکتے تھے کہ ذوق وشوق ہی اتنا اعلیٰ تھا۔فیل ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔سلیبس اتنا لمبا تھا کہ ساری رات بھی بیٹھ کر پورا نہیں ہوتا تھا۔بعد میں ملازمت کے دوران اور بھی مشکل ہو گیا۔Maintain کرنا پڑتا تھا۔کافی ٹھوکریں کھانا پڑیں۔ان میں اخلاص تھا اور استقامت تھی۔

چلو اچھا ہوا کہ انہیں مشکل بتایا گیا تو آپؒ کو احساس تھا کہ اس کو آسان کرنا ہے۔ یہ بڑا ناممکن العمل تھا اس زمانے میں تو انہوں نے آسانی کر دی کہ ایسا سلیبس جو دنیا میں رہ کر کرنا ہے، دنیاوی کام بھی کرنے ہیں اور حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق کرنا ہے۔

اتنا مشکل نہیں ہونا چاہیے۔ سادہ طریق سے ہونا چاہیے کہ اس مصروفیت کے دور میں آسانی سے کر سکیں انصاری صاحبؒ نے بار بار لکھا ہے کہ روزانہ ذکر نفی اثبات اگر شوق ہو اور مزا آئے تو ایک سے دس تسبیح تک کر سکتے ہیں۔ بعد ازاں فرمایا کہ ذکر نفی اثبات ایک سے پانچ تسبیح تک کر سکتے ہیں۔ لیکن لوگوں کی مصروفیت کے پیش نظر اسکو مختصر کرتے ہوئے پندرہ سے بیس منٹ تک حتمی طور پر مقرر کر دیا ہے، اس سے زیادہ نہیں کرنا، بس اتنا ہی کافی ہے۔ مزید فرمایا کہ یہ تجربے سے ثابت ہو گیا ہے کہ یہ (نفی اثبات) لمبا چوڑا نہیں کرنا۔ یہ اتنا ضروری نہیں ہے۔ یہ ذکر صرف جوش و خروش پیدا کرنے کیلئے ہے۔ اصل ذکر تو پاس انفاس ہی ہے جو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ یہ (نفی اثبات کا ذکر) بیٹری چارجنگ ہے۔ کرو گے تو یہ چارج ہو گی۔ پندرہ بیس منٹ میں بھی یہ دو تین تسبیح ہو جائے گا۔ اگر آرام سے کریں تو سات، آٹھ منٹ میں تسبیح ہو جاتی ہے۔ پندرہ منٹ میں دو تسبیحات ہو جائیں گی۔ ذرا Speed سے کریں گے تو تین ہو جائیں گی۔ اس میں تو اب ٹائم نہیں لگتا کہ پندرہ بیس منٹ اور سارا ملا کے دعا، شجرہ شریف پڑھ کے آرام سے بھی کر لیں تو پونا گھنٹہ، گھنٹہ لگا لیں، اس سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ جوش و خروش کیلئے کیا جاتا ہے اور یہ اتنا ہی صحیح ہے۔ بڑا اچھا ہے۔ ذکر پاس انفاس پر مزید زیادہ دھیان دیں۔ زیادہ سے زیادہ ٹائم اس کو دیں۔ اور نفی اثبات کا ذکر پندرہ سے بیس منٹ بلاناغہ کریں اس کو Minimum کر دیا ہے، اس کو چھوڑ دیں گے تو کمزوری آئے گی۔ اس میں Battery charging ہے۔ بیٹری چارج نہیں ہو گی تو کال کس طرح ہو گی؟ چارجنگ تو جاندار ہونی چاہیے تھوڑا سا ٹائم دیا ہے اور اس میں کرنا ہے۔ جو بھی پرانا سلیبس پڑھیں یا بزرگوں کی تعلیم پڑھیں تو یہ اس کی نسبت بڑا Easy سلیبس ہے کہ کتنا آسان سا ہے! اتنا آسان کوئی بھی نہیں ہے۔ بس یہ ہے کہ آپؐ کی محبت اور فیض اس کی اصلیت سے چلتا ہے۔ پھر وہ غرض جو ہے اللہ کے راستے کیلئے تو وہ بزرگوں کی نگاہوں سے ہی چلتی ہے زیادہ۔ اس پاس انفاس سے وہ Alive رہتی ہے۔

ہر آدمی بڑا Gifted ہوتا ہے۔ کسی ٹیم میں بڑے اچھے بندے نکل آتے ہیں۔

بڑے جوش وخروش سے خوب کرنے والے، سارے کام بڑے اچھے اور صحیح کرتے ہیں، کچھ درمیانے، اور کچھ ماٹھے بھی ہوتے ہیں۔باباجیؒ نے آخری خطبے میں لکھا ہے کہ میں شاید اپنے مشن میں ناکام ہوگیا ہوں۔وہ جذبہ جو میں چاہتا ہوں وہ پیدا نہیں ہوا۔کبھی کبھی اس بات کا ذکر فرماتے کہ میرے سلسلے میں بڑے اچھے اچھے ولی کبیر ہیں۔خالی کوئی بھی نہیں ہے۔اخلاق کے لحاظ سے اورتقوئی کے لحاظ سے بھی وہ مثالی ہیں۔بھائیوں میں پیدا ہونے والے اوصاف اوراچھی باتوں کی بھی باباجیؒ تعریف کرتے تھے، اور کرنی بھی چاہیے۔اس طرح نہیں ہونا چاہیے کہ حوصلہ افزائی نہ ہو۔حوصلہ افزائی کی بھی بات ہونی چاہیے۔باباجیؒ کہتے تھے کہ ''باقی جماعتوں میں ایسے ہی ہوتا ہے۔باقی بزرگوں میں بھی کوئی ایک ہی خلیفہ ہوتا تھا، جو آگے چلاتا تھا، ان کے وصال کے بعد فلاں بیٹھا ہے، انہوں نے چلایا ہے۔ہمارے تو بہت اچھے اچھے بھائی ہیں، الحمدللہ کام چلاتے ہیں، اللہ کی رضا کیلئے۔مذہبی لحاظ سے بہت اچھے ہیں۔''

جماعت میں ایسا ہی ہوتا ہے، کوئی بہت اچھے ہوتے ہیں۔کوئی کام کسی نے Takeover کرلیا، چلتا رہتا ہے۔کچھ وہ ہیں جو ان کے ساتھ مل جاتے ہیں، وہ بھی اچھا چلتا ہے کچھ وہ ہیں جو جماعت کے ساتھ ہی چلتے رہتے ہیں اور کہیں اکیلے اکیلے ہو گئے تو وہ سست ہوجاتے ہیں۔وہ جو ان میں سے اچھے ہیں ان کا خاصہ ہے کہ وہ کہیں بھی جائیں گے تو اپنا حلقہ بنا لیں گے۔دو چار بندے اکٹھے کرلیں گے۔حلقہ ذکر شروع کرادیں گے۔جو سست ہیں وہ Slow ہوجاتے ہیں پھر حلقے کے ساتھ مل کے وہ ریگولر چلتے ہیں۔اللہ والوں کی باتیں دل سے نکلتی ہیں اور روح پر اثر کرتی ہیں۔جو دل میں شمع روشن کردیتے ہیں۔چراغ سے چراغ جلتے ہیں۔ان کے ساتھ اللہ کے پیار کی Spirit کے ساتھ اللہ کی مدد بھی شامل ہوتی ہے جو روز با قاعدگی سے ذکر کرتے ہیں۔

مجالسِ فقیر

مسلح افواج اور عوام کا ایثار (قند مکرر)

(آفتاب احمد خانؒ)

1965ء کی جنگ کے دوران ایک صبح گھر کے فون کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھایا تو کلب کے دفتر سے وار کمیٹی کے ایک ممبر کی آواز تھی اور حکم ملا کہ فوراً دفتر آ جاؤ۔ میں اسی وقت تیار ہوا اور قبلہ انصاری صاحبؒ کے پاس جانے کی بجائے وار کمیٹی کے دفتر پہنچ گیا۔ وہاں معلوم ہوا کہ للیانی قصور محاذ پر تین سو جوانوں کے لیے وردیوں کی اشد ضرورت ہے۔ جس کا کوئی فوری بندوبست ہونا چاہیے۔ ہمارے ایک ممبر کا عزیز شیش محل ہوزری میں ملازم تھا۔ اسے فون پر حالات کے بارے میں بتایا گیا تو اس نے کہا کہ آپ میرے دفتر واقع راوی روڈ پہنچ جائیں۔ ہم دونوں وہاں پہنچ گئے اور انہیں ضروریات کی تفصیل بتائی۔ یہ صاحب فیکٹری کے مینیجر تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر کپڑے کا بندوبست ہو جائے تو یہ سارا سامان ہم دو دن میں تیار کروا دیں گے۔ میں نے وہیں سے اعظم کلاتھ مارکیٹ میں اپنے ایک دوست جو کپڑے کا کاروبار کرتا تھا کو حالات کے بارے میں بتایا تو اس نے فوراً کہا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور آپ کا مطلوبہ مال دو گھنٹے کے اندر اندر فیکٹری میں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ہم مطمئن ہو کر کمیٹی کے دفتر واپس آ گئے اور میں وہاں سے فارغ ہو کر قبلہ حضرت انصاری صاحبؒ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ آپؒ نے فرمایا: ''آج تم دیر سے آئے ہو مجھے معلوم تھا کوئی ضروری کام ہو گا۔ اس پر میں نے آپؒ کو آج کی پوری تفصیل بتائی جس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی مجاہد فوج کے لیے مدد کا کام ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ

تمہیں یہ تمام سامان کل مل جائے گا‘‘میں پہلے ہی حیران تھا کہ اتنے سامان کی تیاری دو دن میں کیسے ممکن ہوگی اب اوپر سے حضرت صاحبؒ نے بھی فرما دیا ہے۔اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔اگلے روز قبلہ حضرتؒ سے ملنے کے بعد دفتر پہنچا ہی تھا کہ شیش محل کے مینیجر صاحب کا فون آ گیا کہ آپ کا سارا مال تیار ہے۔کچھ دیر کے بعد وار کمیٹی کے دوسرے ممبر بھی آ گئے اور ہم فیکٹری چلے گئے۔

وہاں جا کر کارکردگی کا جائزہ لیا تو ہم حیران رہ گئے۔مینیجر صاحب نے بتایا کہ کاریگروں نے دن کے علاوہ پوری رات کام کر کے وردیاں تیار کر دی ہیں اور یہ کہتے ہوئے اجرت لینے سے بھی انکار کر دیا ہے کہ ہماری یہ محنت اللہ تعالیٰ اس جہاد میں قبول فرما لے۔فیکٹری کے مالک نے وردیوں کے ساتھ تین سوبنیانیں ہمراہ کر دیں جوان کی طرف سے پاک فوج کے لیے تحفہ تھیں۔ہم نے فوج کے دفتر میں فون پر اطلاع دے دی اور شام تک انہوں نے تمام مال اٹھا لیا اور ہم سب کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ان ایام میں پاکستانی عجیب قوم بن گئے تھے اور ہر فرد اپنی ہمت کے مطابق کچھ کرنا چاہتا تھا۔

اگلے روز پھر فوج کی طرف سے فون آیا کہ چند سپاہی للیانی محاذ پر زخمی پڑے ہوئے ہیں اور ٹرانسپورٹ کی قلت کی وجہ سے سی ایم ایچ (C.M.H) نہیں لائے جا سکتے۔آپ لوگوں کا جوش و جذبہ دیکھ کر دوبارہ تکلیف دے رہے ہیں۔میں فوراً للیانی جانے پر آمادہ ہو گیا اور مطلوبہ جگہ کا پتہ حاصل کر لیا۔اس محاذ پر جنگ پورے زوروں پر تھی۔چار سو توپوں کی گھن گرج اور ہوائی جہازوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دیتی تھی۔راستے میں آسمان سے زمین کی طرف گرتے اور سورج کی روشنی سے چمکتے ہوئے بم بھی دیکھے۔اس کے باوجود اس سارے ماحول میں ایک عجیب سا کیف تھا اور ڈر یا خوف نام کی کسی چیز کا تو نام و نشان بھی نہ تھا۔مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاکستانی فوج کی پیش قدمی کے ساتھ ساتھ میں ایڈوانس کر رہا ہوں۔محاذِ جنگ کی فضا سے لطف اندوز

ہوتے ہوئے میں نے ایک گاؤں کے چھوٹے سے باغ میں اپنی گاڑی روکی۔ وہاں پر دو زخمی مجاہد پڑے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ٹینکوں کے گنر تھے اور خاصے زخمی ہونے کے باوجود اپنے افسروں سے اصرار کر رہے تھے کہ ہم زیادہ زخمی نہیں ہیں۔ ہمیں ہسپتال نہ بھیجیں۔ ہمارے پاکستان کو ہماری محاذ پر زیادہ ضرورت ہے۔ لیکن افسروں نے کہا کہ علاج کے بعد آپ دوبارہ یہیں آئیں گے اور ایک مرتبہ پھر ہم آپ کے جنگی جوہر اور کارکردگی دیکھیں گے۔ ایک زخمی مجاہد کو میں نے اپنی کار میں لے لیا۔ شدید زخمی ہونے کے باوجود سارا راستہ اس نے ہائے تک نہ کیا بلکہ افسوس کرتا رہا کہ میدانِ جنگ سے باہر ہو گیا ہوں۔ "جس فوج کے مجاہدوں کا یہ جذبہ ہو اسے کوئی شکست نہیں دے سکتا" یہ جملہ قبلہ حضرتؒ نے فرمایا۔ جب شام کو حاضرِ خدمت ہو کر میں نے واقعات سے آپ کو آگاہ کیا۔ جب میں نے میدانِ جنگ کی خاص کیفیت کے بارے میں بتایا تو فرمانے لگے کہ ہم لوگوں کو یہاں محفوظ گھروں میں یہ کیف محسوس ہو رہا ہے تو میدانِ جنگ کی تو بات ہی اور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کے گھوڑوں کی دھول کی قسم ایسے ہی تو نہیں کھائی۔ بے شک اللہ جسے عزت دیتا ہے اسی کا حصہ ہے اور آج پاکستان دنیا میں باعزت مقام کا حامل ہے اور پاکستان کا نام دنیا میں ہر جگہ جانا گیا ہے اور سورج کی طرح روشن ہو گیا ہے۔ جنگ بند ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ پھر اس محاذ پر جانے کا اتفاق ہوا اور افسروں کے ساتھ ان کے زمین دوز میس (Mess) میں دوپہر کا کھانا کھانے کا موقع ملا۔ بیشتر افسروں کا تاثر تھا کہ اب تو بھارت پر کاری ضرب لگانے کا وقت آیا تھا لیکن عین وقت پر جنگ بندی کا اعلان ہو گیا۔ ہائے ہماری یہ حسرت دل ہی میں رہ گئی۔

قبلہ محمد صدیق ڈارصاحبؒ کا خط بنام: پروفیسر محمد شبیر شاہد

مورخہ: 29.07.2004

دو بیویوں کے درمیان انصاف کا معاملہ تو آپ پر منحصر ہے کہ حتی المقدور انصاف اور برابری کا برتاؤ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی معصیت کے کاموں میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ کسی فریق کا بھی زیادہ وقت اور توجہ کا مطالبہ انصاف اور شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے اس پر عمل نہیں ہونا چاہیے۔ انسان کو اپنی وسعت کے مطابق برابری کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ اگرچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ تم کتنی ہی کوشش کرو مطلوبہ عدل نہیں کرپاؤ گے۔ پھر حکم دیا کہ ایسا تو نہ ہو کہ صرف ایک ہی جانب جھک جاؤ اور دوسری بیوی کو معلّق کیفیت میں دھکیل دو۔ آپ دونوں کو برابر وقت بھی دیں اور ان کی ضروریات اور اخراجات میں انصاف کریں۔

آپ اگر سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے کیے پر پچھتائیں اور اللہ سے معافی مانگیں تو وہ غفور اور رحیم ذات پچھلے سارے گناہ معاف فرمادیتی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ بس ایک مرتبہ سچے جذبہ کے ساتھ محبوب حقیقی کے قدموں میں سر رکھ دو۔ اور اس کی رضا کا سفر شروع کردو تو اللہ کی رحمت سے نئی زندگی کا آغاز ہوجائے گا۔ ماضی کو یکسر بھول جائیں اور اپنے مستقبل کی فکر کریں کہ اب نامۂ اعمال میں حسنات کا ہی اندراج ہو اور معصیت کے دھبوں سے اسے بچانے کی حتی المقدور کوشش کرتے رہیں۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے بانئ سلسلہ توحیدیہ قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ کی کتابیں پڑھ لی ہیں۔ مبارک علی صاحب سے ملاقات بھی ہوگئی اور حلقہ ہائے ذکر میں

حاضری کی سعادت بھی حاصل ہوئی ۔اللہ تعالیٰ کرے کہ آپ کا قلب اس تعلیم کے ساتھ مناسبت وموافقت محسوس کرے تا کہ روحانی ترقی کا راستہ کھل جائے ۔(آمین) قبلہ حضرتؒ ایک محقق صوفی بزرگ تھے انہوں نے تصوّف کی تعلیم کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھال کر اس دور کے طالبانِ راہِ حق پر بڑا احسان فرمایا۔ ہر آدمی جسے اس راہ کا شوق ہے وہ دنیا کے تمام کام کرتے ہوئے اس مختصر مگر ذودِاثر تعلیم پر عمل کرتے ہوئے منزل مراد تک پہنچ سکتا ہے۔

الحمدللہ آپ نے نماز باقاعدگی کے ساتھ شروع کر دی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر استقامت عطا فرمائے۔آمین۔اسلام لانے کے بعد نماز ہی سے عمل کا آغاز ہوتا ہے۔اور یہ افضل ترین عمل اور مومن کی پہچان ہے۔اس کے ساتھ اوراد و وظائف واذکار کی برکات شامل ہونگی تو پھر یہی نماز معراج بن جائے گی۔ جب تک انسان اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کا ذکر نہ کرے حضوری والی نمازیں نصیب نہیں ہو سکتیں۔کچھ دیر جم کر تعلیم پر عمل کیا جائے تو نتائج مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔نماز اگر باجماعت پڑھی جائے تو ثواب و برکات میں یقیناً اضافہ ہوتا ہے۔ ہمارے مسلک میں فروعی اختلافات اور فرقہ واریت میں الجھنے کی قطعی اجازت نہیں ہے۔ہمارے مُرشدؒ تو فرمایا کرتے تھے کہ ہاتھ سینے پر باندھو، ناف پر یا کھلے چھوڑ دو لیکن نماز ضرور پڑھو اور کوشش کرو کہ نمازیں حضوری والی بن جائیں۔اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لو تو سلام پھیرنے تک اللہ کے سوا کوئی دوسرا خیال دخل انداز نہ ہو سکے۔آپ میں اتنی وسعت قلبی ہونی چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ نماز پڑھ سکیں۔حضورﷺ کے فرمان کے مطابق جب جماعت سے نماز ہوگی تو 27 گنا ثواب ضرور ملے گا۔بہر حال اگر دل نازک نہیں مانتا تو کوئی بات نہیں اکیلے میں ہی ادا کر لیا کریں۔

ذکر نفی اثبات ، پاس انفاس، روزانہ قرآن کریم کی تلاوت ترجمہ کے ساتھ اور ایک ہزار مرتبہ درود شریف" صَلَّی اللهُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰه "باوضو بیٹھ کر تسبیح پر روزانہ پڑھنا ہے۔ ذکر میں سستی ہرگز نہ کریں۔جب بھی کوئی پریشانی ہو ذکر اور زیادہ کرنا چاہیے۔ طریقت توحیدیہ کے مطابق عالمگیر محبت اختیار کریں اور تسلیم و رضا اور قطع ماسویٰ اللہ کا مجاہدہ بھی شروع کردیں۔اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنا سیکھیں اور ہر حال میں اپنے اللہ سے راضی رہا کریں۔کم ازکم ایک ماہ تک روزانہ استغفار کی ایک تسبیح پڑھا کریں بہتر ہوگا اگر ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّی، اِنَّ رَبِّیْ رَحِیْم وَّ دُوْدo''پڑھیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے،اپنی حفظ و امان میں رکھے اور دنیا اور آخرت میں سرخرو فرمائے۔اللہ تعالیٰ خصوصی رحمت فرماتے ہوئے آپ کے قلب میں اپنی محبت کی شمع روشن فرمائے اور اپنی محبت کے صراط مستقیم پر چلاتے ہوئے اپنے مقربین میں شامل فرمائے۔ (آمین)

والسّلام

قبلہ محمد صدیق ڈارصاحبؒ کا خط بنام: محمد قاسم -ملتان

مورخہ:10.03.2012

حاجی سعید کے بارے میں پڑھ کر خوشی ہوئی ۔وہ بہت اچھے آدمی ہیں اسم بامسمّہ ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو فلاحِ دارین سے نوازے۔(آمین)

ان کے گھر جو ذکر کی محفل ہوئی ہے اسے جاری رکھیں ۔اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اسے وسعت عطا فرمائے اور آپ کی کاوش کو بارآور فرمائے۔

پہلے خط میں تـوکّـل عـلَی اللّٰہ اور دُعا کے بارے میں پوچھا گیا ہے اس کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ تقدیرِ الٰہی پر ایمان لانا ضروری ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ اپنے لکھے کو ہروقت بدلنے کی بھی قدرت رکھتا ہے اس لئے دُعا کرنا ایک مقبول عمل ہے اور اللہ تعالیٰ مانگنے سے خوش ہوتا ہے اس لئے بانیٔ سلسلہؒ کا فرمان ہے کہ" دُعا ضرور مانگنی چاہیے۔ ہمیں تو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنا ہے۔"حدیث شریف میں آیا ہے کہ" اَلـدُّعَـاءُ مُـخُّ الْـعِبَـادَةِ " دُعا عبادت کا مغز ہے۔

یعنی جو مزہ، لطف اور قُرب دُعا کرتے وقت محسوس ہوتا ہے وہ دوسرے ارکان کے دوران محسوس نہیں ہوتا۔دُعا کرنا، مدد مانگنا اپنائیت کی علامت ہے اس لئے یہ تسلیم و رضا کے خلاف نہیں۔کام پوری محنت سے کرنے اور اللہ سے کامیابی کی دُعا کرنا یہ مومن کا استحقاق ہے لیکن اللہ کی طرف سے جو بھی نتیجہ ہو اس پر دل سے راضی رہنا، یہ مقام رضا ہے۔اس لئے دُعا سے غفلت ہرگز نہیں کرنی چاہیے دعا پوری عاجزی اور انکساری سے کرنی چاہیے

یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کی کوششوں سے بستی دین پور والا حلقہ ترقی کر رہا ہے۔ میرے بیٹے! اللہ کی مخلوق کو اللہ کے ساتھ جوڑنے کیلئے ہی پیغمبر آئے اور ہم بھی یہی کام کر رہے ہیں اس سے بڑی کوئی عبادت اور نیکی نہیں ہے۔اللہ آپ کے سارے کام انجام فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ دکان کے معاملہ میں کوئی آسانی کی صورت پیدا فرمادیں گے۔سرگودھا جانے کی ضرورت نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ ادھر مدد فرمائیں گے۔اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت عطا فرمائے اور مشکلات آسان فرمائے۔آپ کی دلی مرادیں پوری فرمائے۔میری دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

والسّلام

مجلس مشاورت

(احمد رضا خان)

اپریل 2014 کے سالانہ اجتماع کے موقع پر مجازین و خادمان کی میٹنگ میں طے کیا گیا تھا کہ ہر تین ماہ کے بعد مرکز پر (اس فورم کی میٹنگ) ہوا کرے گی۔ اس سلسلے میں مورخہ 22 جون 2014 بروز اتوار کی تاریخ مقرر کی گئی اگرچہ یہ دن سال کا سب سے بڑا دن ہوتا ہے اور ان دنوں میں موسم شدید ترین ہوتا ہے مگر اللہ نے اپنا فضل و کرم ہمارے شامل حال فرمایا اور اچانک موسم خوشگوار ہو گیا اور ہماری یہ نشست بخیر و خوبی انجام پائی۔ ہفتہ کی شام کو راولپنڈی، ملتان اور چوک اعظم کے بھائی مرکز پہنچ گئے اور لان میں انتہائی خوشگوار موسم میں حلقہ ذکر ہوا۔ باقی سب بھائی اتوار کی صبح مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ اس موقع پر استقبال رمضان کے حوالے سے گفتگو ہوئی اور بابا جان قبلہ ڈار صاحبؒ کے ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا۔

اجلاس میں خالد مسعود، غلام مرتضٰی (اسلام آباد) چوہدری محمد حسین (چیچہ وطنی) شیخ اسلم (لاہور) خالد محمود بخاری، محمد قاسم، فیصل خان (ملتان) لیاقت علی (چوک اعظم) عابد کبیر شاہ (شجاع آباد) عبداللہ شاہ (لسوڑی) یونس ہاشمی (گکھڑ) محمد صدیق، محمد ریاض، احمد رضا (گوجرانوالہ) عتیق عباسی، پیر خان (راولپنڈی) حافظ محمد یٰسین (نوکھر) منظور قادر بھٹہ، محمد صادق (فیصل آباد) معین الدین (نوشہرہ ورکاں) عبدالرشید ساہی (ڈسکہ) اور دیگر پیر بھائی شریک ہوئے۔

(ا) سابقہ اجلاس میں کئے گئے فیصلوں پر عمل درآمد:

سب سے پہلے بابا جان نے سابقہ اجلاس میں کئے گئے فیصلوں کے متعلق بتایا جن پر عمل درآمد ہو چکا ہے۔ جس میں سرفہرست مجازین و خادمان کی سہ ماہی میٹنگ تھی جسکو مرکز نے عملی جامہ پہنا دیا ہے۔ قبلہ بابا جان نے اس امر پر خوشی کا اظہار کیا کہ تمام بھائی موسم کی سختی کو

خاطر میں نہ لاتے ہوئے صرف اللہ کی رضا کے لئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہوئے تشریف لائے ہیں۔ دوسرا اہم فیصلہ یہ تھا کہ مرکز پر ایک آفس اسسٹنٹ تعینات کیا جائے جو ترجیحاً حلقہ کا بھائی ہی ہونا چاہیے اور کمپیوٹر کے استعمال میں مہارت رکھتا ہو۔ تو اس فیصلے کو بھی عملی صورت میں ڈھالتے ہوئے بھائی ماجد محمود کو مرکز کے دفتری امور کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ (امجد نواز صدیقی صاحب نے اپنے وعدے کے مطابق اس ضمن میں تمام اخراجات برداشت کرنے کا وعدہ پورا کر دیا ہے۔) تیسری بات جو سامنے آئی تھی کہ سلسلہ کی کتب مہنگی ہیں۔ مرکز نے ایک سیٹ (تعمیر ملت، چراغ راہ، طریقت توحیدیہ، حقیقت وحدت الوجود، مقصود حیات) کی قیمت 750 سے کم کر کے 500 روپے کر دی ہے۔ اور لاگت پر ہی کتب کی فراہمی شروع کر دی ہے۔

مرکز کی طرف سے خادمان حلقہ کو پیش کش کی گئی ہے کہ سلسلہ کی تعلیم کے فروغ کیلئے سلسلہ کی مطبوعہ کتب انتہائی کم قیمت پر دستیاب ہیں۔ اگر کوئی سلسلہ کی کتب لینا چاہتا ہے اور وقتی طور پر رقم ادا نہیں کر سکتا تو مطلوبہ کتب کو ادھار بھی دیا جا سکتا ہے۔ رقم بعد میں اقساط یا جیسے سہولت ہو وصول کر کے مرکز بھجوا دی جائے۔ اصل مقصد تو سلسلہ کی تعلیم کا فروغ ہے جیسے بھی ممکن ہو۔ خادمان حلقہ پر لازم ہے کہ وہ ان کتب کا بار بار مطالعہ کرتے رہیں خاص طور پر ''طریقت توحیدیہ'' تو ازبر ہونی چاہیے تا کہ سلسلہ کی تعلیم و تعارف کے لئے کام آ سکے۔

مجازین و خادمان حلقہ کے استفادے کے لئے ان کو تحریری صورت میں مختلف موضوعات کی قرآنی آیات بمعہ ترجمہ فراہم کی گئی ہیں۔ نیز بابا جان نے ہدایت کی ہے کہ تمام مجازین و خادمان ان آیات کو زبانی یاد کریں اور بھائیوں کو مختلف مواقع پر بشمول حلقہ ذکر یاد دہانی کرواتے رہیں۔ ہر خادم حلقہ کو اس کے حلقے کے موجودہ اور سابقہ پیر بھائیوں کی لسٹ مہیا کی گئی اور ہدایت کی گئی کہ ایسے بھائی جنہوں نے تجدید بیعت نہیں کی یا سست روی کا شکار ہیں ان سے محبت و پیار والا معاملہ رکھیں اور بار بار ان سے مل کر یاد دہانی کرواتے رہیں۔ اس سلسلے میں ایک

سرکلر بھی جاری کیا گیا اور تمام خادمان حلقہ کو اس کی کاپیاں فراہم کر دی گئیں۔
اجلاس کا ایجنڈا پہلے سے ہی مرتب شدہ تھا جس کے تحت مندرجہ ذیل امور زیر بحث آئے ان سب کا خلاصہ بھائیوں کے استفادے کے لئے پیش خدمت ہے۔

(۲)سب سے اہم و اولین کام:

شیخ سلسلہ قبلہ محمد یعقوب صاحب نے بطور خاص جس تربیتی پہلو کا ذکر کیا وہ اخلاق ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کئی ایسی اخلاقی قباحتوں میں مبتلا ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ہم توحیدی تو کیا مسلمان بھی نہیں بن سکتے۔ نماز، روزہ تو مسلمانی کا آغاز ہے اصل کام تو اخلاق کی درستگی ہے جس کا وزن قیامت والے دن نیکیوں کے پلڑے میں سب سے زیادہ ہوگا۔ آپ ﷺ نے اپنی بعثت کا مقصد ہی یہی بتایا ہے کہ۔ "**بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاق**" مجھے مبعوث ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ میں اچھے اخلاق کی تکمیل کروں۔ بحیثیت توحیدی ہمیں اپنی انفرادیت قائم کرنی ہے۔ اس ضمن میں وعدے اور وقت کی پابندی، امانت کی پاسداری خصوصی اہمیت کی حامل ہیں۔ اگر آپ دیکھنا چاہتے ہیں کہ آپکے اخلاق میں بہتری ہوئی یا نہیں تو اپنا جائزہ لیں کہ کیا غصہ اور نفرت میں کمی آئی ہے اور محبت وصداقت پیدا ہوئی ہے؟ قبلہ بابا جان نے خادمان اور مجازین کو ہدایت کی کہ بھائیوں کی اخلاقی حالت کی طرف توجہ دیں اور انہیں بار بار اسکی اہمیت کا احساس دلائیں
آپ نے مجازین و خادمان کو انکے اہم کردار کی طرف بار بار توجہ دلائی اور ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے کئی ایک ذمہ داریاں تفویض کیں۔

(۳)اصل توحیدی رنگ

قبلہ بابا جان نے بھائیوں کے عمومی رویے کی نشان دہی کی کہ بیشتر بھائی جب بھی ملتے ہیں تو اپنی حاجتوں کے لئے دم درود یا تعویذ حاصل کرنے کے چکر میں رہتے ہیں۔ میں بارہا کہہ چکا ہوں آپ بھی سب بھائیوں کی رہنمائی کریں کہ ایسا موقع نہ ہی آئے تو بہتر ہے۔

قبلہ انصاری صاحبؒ کے پاس ایک دفعہ بھائی کسی سلسلے میں دعا کروانے آئے تو قبلہ حضورؒ نے کہا کہ برخوردار! کیا یہ تکلیف مجھ کو ہے یا آپ کو۔ تو وہ بھائی بولے جی مجھے۔ تو آپؒ نے فرمایا کہ جو دعا آپ خود کریں گے وہ دل سے ہوگی یا جو میں کروں گا کیا وہ دل سے ہوگی؟ تو وہ بھائی لاجواب ہوگئے۔ آپؒ نے فرمایا ہم نماز میں تو **ایاک نعبد و ایاک نستعین** پڑھتے ہیں لیکن ہمارے اعمال اس کے برعکس ہوتے ہیں یا تو اس آیت کے مطابق عمل کریں یا اس کو پڑھنا چھوڑ دیں۔

چند بھائی سالانہ اجتماع کے موقع پر **مجلس مشاورت** میں شریک نہ ہوسکے تھے انہوں نے بھی اس **ضمن** میں چند اہم باتوں کی نشاندہی کی۔ **خالد مسعود صاحب** نے ''برسی'' کی اصطلاح پر **تحفظات** کا اظہار کیا اور برملا کہا کہ سلسلہ کی **تعلیمات** میں اسطرح کی رسوم کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہم ایصال ثواب کے قائل ہیں لیکن اسے رسوم کی **شکل** میں اسطرح اپنانا کہ ایک **بالکل** نئی چیز کا اضافہ ہوجائے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں خود انصاریؒ صاحب اور قبلہ ڈار صاحبؒ نے اسطرح کی باتوں کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ ہمیں اپنی **دعوت** پھیلانے کے لئے اسطرح کی رسوم کا سہارا لینے کی کوئی **ضرورت** نہیں۔ حلقے کی بہتری کے لئے آپ کا خیال تھا کہ ہمیں تعداد بڑھانے کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اپنی اصلاح **کو فوکس** کرنا چاہیے۔ اسکے بعد اگر ایک آدمی کی اصلاح بھی ہوگئی تو یہی اپنی **نجات** کے لئے کافی ہے۔ **عابد کبیر شاہ صاحب** نے اس **ضمن** میں بابا جان ڈار صاحبؒ کے ایک خط کا حوالہ دیا جس میں **آپؒ** نے لکھا کہ ہم نے 29 جولائی بابا جان انصاری صاحبؒ کے یوم وصال کو اس لئے چھوڑا کہ ہم روایات کے اسیر نہ ہوجائیں۔ بابا جان **یعقوب** صاحب نے بھی اس موقف کی تائید کی اور انصاری صاحبؒ کا حوالہ دیا کہ جب ڈار صاحبؒ نے نانی اماں (بیگم قبلہ انصاری صاحبؒ) کا نام حلقہ ذکر کے بعد دعا میں ایصال ثواب کے لئے شامل کرنے کا مشورہ دیا تو بانی سلسلہ نے فرمایا کہ اسکی **ضرورت** نہیں ہم نے یہ حلقہ مردے بخشوانے کے لئے نہیں بنایا عبدالہادی انصاریؒ کا نام اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ وہ ہمارا اکلوتا بیٹا تھا جو جوانی کے عالم میں ہی

فوت ہو گیا اور اس کا یہ حال اللہ کی راہ میں ہی ہوا تھا۔

(نوٹ : اس ضمن میں اس دن کو خاص نہ کیا جائے نہ ہی خاص نام دیا جائے مگر بزرگوں کے ایصالِ ثواب کے لئے اکٹھا ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔)

باهمی رابطه اور اس کی اهمیت

بابا جان نے رابطے کی اہمیت کو واضح کیا اور اسکو براہ راست حلقہ کی ترقی کا سبب بتایا۔

ہفتہ وار حلقہ ذکر کا فورم

مجازین و خادمان کا کردار رابطہ کے ضمن میں سب سے اہم ہے۔ اپنا واقعہ ذکر کرتے ہوئے آپ نے بتایا کہ انصاری صاحبؒ نے ایک بار مجھے، محمد مرتضیٰ صاحب کو محمد علی صاحب کے پاس، جوبدین (سندھ) میں تھے، بھیجا۔ تا کہ ہم نئے بھائیوں سے ملیں اور حلقہ کا تعارف وغیرہ کروائیں۔ مجھے یاد ہے کہ ہم وہاں تین دن رہے۔ یاد رہے کہ ہفتہ وار ذکر کا بنیادی مقصد روحانی ترقی نہیں بلکہ صرف اور صرف رابطہ ہے۔ جتنا اس فورم کو فعال بنائیں گے اتنا ہی فائدہ ہوگا۔

اس وقت ہر شہر کے خادم حلقہ کے پاس تمام حلقہ جات کے خادمان کی لسٹ اور پتہ ہوتا تھا اگر کوئی بھائی دوسرے شہر جاتا تو متعلقہ خادم اور بھائیوں سے ضرور ملاقات کرتا اور ان کے پاس ٹھہرتا اور اگر انہیں متعلقہ شہر میں کوئی کام ہوتا تو اسکی مدد کی جاتی۔ شیخ سلسلہ نے سابقہ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے منظور قادر بھٹہ صاحب کی ڈیوٹی لگائی کہ آپ ہر ماہ میں ایک دفعہ ضرور جڑانوالہ جائیں۔ خالد مسعود صاحب اور اسلام آباد کے بھائیوں کو تاکید کی کہ پنڈی جائیں۔ پنڈی اور اسلام آباد والوں کو باہمی رابطہ بڑھانے کی اشد ضرورت ہے۔ اسی طرح ملتان سے خالد محمود بخاری صاحب شجاع آباد اور لسوڑی والوں سے رابطے میں رہیں۔ بابا جان نے بزرگ بھائیوں کو ہدایت کی وہ دوسرے بھائیوں سے پیار کریں انہیں توجہ دیں انکے پاس جا کر ان کے حالات معلوم کریں اور اگر ہو سکے تو انکی ہر قسم کی ممکنہ مدد کریں اور اصلاح کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

حلقہ ذکر کے فورم کو فعال بنانے کے ضمن میں قبلہ بابا جان نے خادمان کو ہدایت کی آپ اس بات کو ٹارگٹ کریں کہ ہر حلقہ ذکر میں دو باتیں کم از کم اخلاقی حوالے سے بھائیوں کو ضرور بتانی چاہئیں۔ گپ شپ سے پہلے سلسلے کی تعلیم کے کسی پہلو پر گفتگو ضرور کی جائے۔ رابطے کے حوالے سے ہی **غلام مرتضیٰ صاحب** نے یہ تجویز دی کہ مجازین و خادمان اپنے حلقہ جات کی کارکردگی رپورٹ (جس مین حلقہ فنڈ اور حاضری یا کوئی اور قابل ذکر بات) تحریری صورت میں مرکز پر ضرور روانہ کریں جسے مجلّے میں شائع کیا جائے۔ **پیر خان صاحب اور عتیق عباسی صاحب** نے کئی اہم باتوں کی نشاندہی کی۔ بانی سلسلہؒ کا حوالہ دیتے ہوئے عباسی صاحب نے کہا کہ آپ کے دور میں ہمیں مختلف تربیتی موضوعات دیئے جاتے تھے۔ ہم انکی تیاری کر کے آتے اور حلقہ میں ان پر بات ہوتی مثلاً مجھے ایک دفعہ ٹاپک ملا کہ'' آپ کا گھر جنت کا نمونہ بنا چاہیے۔'' آج بھی ذمہ داران کی طرف سے گاہے بگاہے ان موضوعات پر بات ہونی چاہیئے علاوہ ازیں ذکر کے ساتھ ساتھ فکر یعنی تفکر، اخلاص ،نفلی عبادات ،قرآن کی تلاوت و آگہی بہت ضروری امور ہیں۔ اس حوالے سے پیر خان صاحب نے بتایا کہ راولپنڈی حلقے نے کافی پیش رفت کی ہے جسکو بابا جان نے سراہا۔ اور اس بات پر زور دیا کہ اس فورم پر حلقے کی تعلیم کی بات بھرپور طریقے سے ہو۔ قرآن فہمی اور دروس بہت ضروری ہیں مگر کوشش کریں کہ انکے لیے علیحدہ نشستوں کا اہتمام کیا جائے۔

حلقہ فنڈ

حلقہ فنڈ کی وصولی خادمان کا کام ہے۔ انکی طرف سے سستی کے باعث فنڈ میں کمی کا سامنا ہوتا ہے۔ چاہے کتنی ہی دفعہ کسی بھائی سے رابطہ کرنا پڑے، ضرور کرنا چاہیئے۔ بابا جان نے اپنا ایک واقعہ ذکر کیا کہ ''میں کراچی میں خادم حلقہ تھا اور ہمارے ایک بھائی بہت دور رہتے تھے۔ میں جتنا کرایہ لگا کر وہاں جاتا وہ اس سے بھی کم مجھے فنڈ دیتے۔ میں نے بانی سلسلہؒ کو صورت حال لکھی اور اجازت مانگی کہ میں انکی طرف سے خود فنڈ جمع کروا دیا کروں گا۔ انصاری صاحبؒ

نے کہا کہ ہرگز نہیں ہمارا اصل مقصد فنڈ کا حصول نہیں بلکہ انکو اللہ کی راہ میں دیتے رہنے پر آمادہ رکھنا ہے۔''انفاق فی سبیل اللہ بہت بڑی نیکی ہے خادمان کو جو تحریری ہدایات دی گئی ہیں ان میں اس حوالے سے بھی تحریک شامل ہے۔سالانہ اجتماع کے موقع پر بھی ایک سرکلر جاری کیا گیا تھا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ذمہ داران اس حوالے سے بھائیوں کی ذہن سازی کریں انہیں دنیاو آخرت میں خرچ کرنے کے فوائد سے آگاہ کریں۔بانی سلسلہؒ نے حلقہ فنڈ کا نصاب ماہانہ کمائی پر اڑھائی فیصد کم از کم مقرر کیا تھا۔قبلہ ڈار صاحبؒ نے اڑھائی فیصد کے علاوہ اسکی آخری حد ۵۰ روپے مقرر کر دی یعنی جسکی اڑھائی فیصد کمائی پچاس سے کم بنتی ہے وہ فنڈ نہ دے بلکہ ہماری طرف سے اسکی مدد کی جائیگی اللہ سے محبت کا دعویٰ آسان نہیں اللہ نے قرآن میں کہا ہے کہ''اللہ نے مومنوں سے انکے مال اور جانیں جنت کے بدلے خرید لئے ہیں'' تو مال اس کی امانت ہے جسے واپس لوٹانا سرفراز و کامیاب ہونے کے لئے بہت ضروری ہے۔بیعت نامہ میں اس بات کا واضح ذکر ہے کہ مرشد کے ہر حکم پر بلا چون و چرا اس عمل کروں گا تو جب مال کے بارے میں کم از کم اڑھائی فیصد ماہانہ کی واضح ہدایت مرشد کی طرف سے موجود ہے تو اسمیں سستی کا کوئی جواز نہیں۔ بابا جان نے لاہور حلقے کا حوالہ بھی دیا کہ وہاں سے بھائیوں کے اڑھائی فیصد فنڈ پورا ہونے کی وجہ سے سب سے زیادہ جمع ہوتا ہے اور اللہ کے فضل و کرم سے سب بھائی اسکے فوائد بھی محسوس کر رہے ہیں۔خادمان حلقہ کو چاہیے کہ اس ضمن میں یاددہانی کرواتے رہا کریں۔

اپنے بچوں کو حلقہ سے متعارف کروائیں۔

بابا جان یعقوب صاحب کی طرف سے اس بات کی ہدایت کی گئی کہ ہماری دعوت کا پہلا میدان ہمارا اپنا گھر ہونا چاہئے۔اگر ہم سمجھتے ہیں کہ ہمارے سلسلے کی دعوت دنیاو آخرت میں کامیابی کی ضامن ہے تو اپنی اولاد کو کیوں اس سے محروم کر رہے ہیں؟ لہٰذا انہیں حلقے سے جوڑنے کی سنجیدہ کوششیں کریں۔ہفتہ وار ذکر میں انہیں ساتھ لائیں گھر میں سلسلے کی تعلیمات کا

تعارف احسن انداز میں کروائیں نیز آپکا عمل ایسا ہونا چاہیے جو مثالی ہو اور خود بخود بچے آپکو idealise کریں جو بھائی ایسا کرنے میں کامیاب ہوگیا اسکے لئے صدقہ جاریہ کا اہتمام ہوگیا اولاد کی تربیت ایسی کریں کہ لوگ رشک کریں اسکا ultimately آپکو ہی فائدہ ہے۔

(۷)روزانہ کے اذکار

تمام بھائی اپنے روزانہ کے ذکر کی پابندی کریں۔اس سلسلے میں بابا جی کے بتائے ہوئے ۱۵/۲۰ منٹ کا پاس انفاس اپنی سہولت کے مطابق مناسب وقت پر کرنا شروع کردیں اس سے ایک طرف تو آپ کی روحانی ترقی میں لازماً تیزی آئے گی اور دوسری طرف آپ کا اخلاق مثالی بنتا جائے گا۔

☆.....تلاوت قرآن کریم جو حلقے کی تعلیم کا لازمی حصہ ہے اپنے گھر میں قبلہ انصاریؒ صاحب کے بتائے ہوئے طریقے پر باقاعدگی سے اہتمام کریں۔

ملتان میں حافظ عبدالکریم صاحب کی جگہ فیصل خان صاحب کو خادم حلقہ مقرر کیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ طریقت توحیدیہ میں دی گئی ہدایات برائے خادمان حلقہ کی روشنی میں اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن ادا کریں گے۔اور بابا جان نے حافظ عبدالکریم صاحب کی خدمات کو سراہا اور انکے لئے نیک خواہشات کا اظہار کیا۔اور واضح کیا کہ یہ کوئی منصب نہیں بلکہ ذمہ داری ہے اور اس میں سستی ،اللہ اور مرشد کو قطعاً پسند نہیں۔

اس نشست میں مجازین اور خادمان حلقہ کو آگاہ کیا گیا کہ آئندہ جو ہدایات اور ذمہ داریاں مرکز کی طرف سے تفویض کی جائیں گی وہ باقاعدہ سرکلر کی صورت میں جاری ہونگی۔

انسان مخمصے میں مبتلا کیوں؟

(منصور علی خان)

ہر کام کرنے کے ضابطے اور قاعدے ہوتے ہیں۔ عملی طور پر اسے شروع کرنے سے پہلے ہمیں منصوبہ بندی (Planning) کرنی ہوتی ہے۔ ہمارے سامنے جو مقصد ہے وہ بہت ہی اہم اور ہدف بہت ارفع و اعلیٰ ہے اور یہ دنیا (جس میں رہ کے ہم نے یہ ہدف حاصل کرنا ہے) خطرات، توہمات اور ترغیبات سے پُر ہے۔ ان جھمیلوں میں پڑ کر ہم اپنی راہ کھوئی کر لیتے ہیں اور اپنے آپ تک کو بھول جاتے ہیں کہ ہم کون ہیں، کس کام کیلئے اس دنیا میں آئے ہیں۔ بقول اقبالؒ:

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(بانگِ درا)

علم وہ عرفان ہے۔ جس کے ذریعے انسان نہ صرف اپنی شناخت کرتا ہے بلکہ اللہ تک رسائی حاصل کر کے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جس کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(بالِ جبریل)

لیکن آج کا مسلمان لاعلمی کی وجہ سے جہالت کے بھنور میں ایسا پھنس چکا ہے کہ نہ تو اسے اپنی تخلیق کے مقصد کا علم ہے، نہ اپنے آپ کا اور نہ اپنے خالق کا۔ اس مخمصے سے نکلنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان فوراً اپنے ربّ کی طرف رجوع کرے اور ان سوالوں کا جواب پانے کی کوشش کرے کہ وہ کون ہے اور کس کیلئے اس دنیا میں بھیجا گیا۔ ان سوالوں کا آسان جواب یہ مقولہ ہے: مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّه،۔ ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا اُس نے اپنے ربّ کو پہچانا''۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًاo

ترجمہ: ''انسان بہت ہی کمزور اور بے صبرا، جلدباز ہے۔'' (المعارج ۷۰:۱۹)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو کمزور کیوں بنایا؟ بڑا اچھا سوال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم خیر الامم ہیں بشرطیکہ ہم اپنے طرزِ عمل سے اسے ثابت کریں۔ اگر ہمارے اعمال اس کام سے مختلف ہیں جس کے لئے ہمیں اس دنیا میں بھیجا گیا ہے یا جو ہمارے ذمہ لگایا ہے تو پھر وہی اشرف المخلوقات اور خیر اُمت جہنم کا ایندھن بھی بن سکتی ہے۔

کتنا تضاد ہے؟ جی ہاں اللہ کریم نے تو احکامات صادر فرما دیئے ہیں، ضابطے مقرر فرما دیئے ہیں جن کی پیروی کر کے ہی ہم اپنی منزلِ مقصود پا سکتے ہیں، اپنے اہداف حاصل کر سکتے ہیں اور یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ ہم واقعتاً اشرف المخلوقات ہیں۔ بنی نوع انسان کی تخلیق سے پہلے اللہ کریم نے ایسی علامات پیدا فرمائیں جن کے ذریعے ہم اللہ کو پہچان لیں۔ اس میں ہماری بقاء کے تمام ذرائع پیدا فرمائے اور اس کے ساتھ ہماری ہدایت کے سامان بھی کئے۔ اس کا ہمیں علم دیا۔ یہ لیل و نہار کا آنا جانا، دن کا روشن سورج، تاریک راتوں میں چمکتا چاند، جھلمل کرتے ستارے، آسمان کی وسعتوں میں پھیلی قوسِ قزح، رنگ برنگی تتلیاں، چہکتے پرندے، دریاؤں اور سمندروں میں تیرتی مچھلیاں، خشکی پر دوڑتے بھاگتے وحوش، برف پوش پہاڑوں کی چوٹیاں، پگھلتے گلیشئر، ندیوں کے سکون بخش نظارے، شور مچاتی آبشاریں اور سمندروں کی اُٹھتی بل کھاتی موجیں، لمبے اونچے پائن کے درخت، مسحور کن خوشبو بکھیرتے پھول، طرح طرح کے رنگ برنگے پودے، لذیذ پھل، ہرے بھرے کھیت، اونچے پہاڑ، بغیر ستونوں کے آسمان، یہ سب اللہ کے ذکر میں مشغول انسان کو اپنے عظیم خالق کی پہچان ہی تو کرا رہے ہیں۔ ان سب میں ہماری بقاء کے بے پناہ سامان مضمر ہیں اور ہمیں توجہ دلا رہے ہیں کہ یہ سب علم کی بدولت ہے۔

''بے علم نتواں خدا را شناخت۔'' یعنی بے علم اللہ کو نہیں پہچان سکتا۔

حقیقی علم کیلئے ذکر شرط ہے:

ذکر کے معنی اللہ کو ہر لمحہ اور ہر حال میں مسلسل یاد کرنا۔ دِل اور زبان سے مسلسل اپنے ربّ کے انعامات اور احسانات اور اس کی ذاتِ عالی کی تعریف وتوصیف بیان کرنا۔

''حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جو ذکر نہیں کرتا، ان دونوں کی مثال زندہ اور مُردہ کی طرح ہے۔ (یعنی ذکر کرنے والا زندہ اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔)۔''

اس حدیث کی رو سے یہ واضح ہوتا ہے کہ علم کا حصول اور فائدہ زندوں کو ہوتا ہے، مردوں کو نہیں۔ اور زندوں میں شمار ہونے کیلئے ذکر شرطِ اوّل ہے۔ یعنی جب انسان ذکر اللہ کے ذریعے اللہ سے رابطہ کرتا ہے تو اسے حقیقی علم کے ثمرات میسر آتے ہیں۔

انسان نہایت ناشکرا واقع ہوا ہے۔ قلیل ہیں جو اللہ کا شکر بجالاتے ہیں اور ذکر کرنے والے ہیں ہی بہت کم۔ انسان کے باغیانہ روّیے کے باوجود اللہ کریم چاہتا ہے کہ ہم اس سے دنیا اور آخرت کی کامیابی کیلئے اپنا تعلق استوار رکھیں۔ لیکن یہ تعلق بغیر اخلاص اور عقیدت ومحبت کے استوار نہیں ہوسکتا۔ سورۃ آلِ عمران میں اللہ تعالیٰ ان شرائط کا ذکر فرماتا ہے کیسے اپنے ربّ کو پہچان سکتے ہیں اور کس طرح اتباعِ رسول ﷺ کے ذریعے اللہ کی محبت تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰه

(اے نبی ﷺ! آپ فرمادیں (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔''　(آلِ عمران ۳:۳۱)

اللہ تعالیٰ واضح الفاظ میں یہ فرمارہے ہیں کہ اے بنی نوع انسان اگر تم مجھے پہچاننا چاہتے ہو، میری معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو مجھ سے محبت رکھو، مجھے دوست رکھو، اس کیلئے تمہیں میرے پیارے محبوب ﷺ کی پیروی کرنا پڑے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر ہم محمد رسول اللہ ﷺ سے

محبت نہیں رکھتے اور ان کی اتباع نہیں کرتے تو مسلمانی کا دعویٰ بے بنیاد ہے، غلط ہے اور جھوٹ ہے کیونکہ قرآن کا واضح طور پر بار بار ارشاد ہے:

وَأَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ ۝

ترجمہ: ''اللہ اور اسکے رسول کی پیروی کرو''۔ (المائدہ ۵:۹۲)

یہ لازمی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت وعقیدت ہمارے دلوں میں جاگزین ہو، تبھی ہمارے دل اللہ کی محبت سے منور ہوسکیں گے۔

ہمارے کلمہ طیبہ کے دو حصے ہیں:

حصہ اوّل: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

حصہ دوئم: مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰه

اس کا کوئی ایک حصہ پڑھنے سے انسان مسلمان نہیں ہوسکتا ہے۔ جیسے پرندہ اپنے دونوں پروں سے اُڑتا ہے اسی طرح کلمے کے دونوں حصوں کو ادا کرنے سے ہی انسان مسلمان ہوسکتا ہے۔

۱۔ حضور ﷺ کا بلند مقام اور ''اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' پر ایمان ہماری زندگی کا لازمی جزو ہے۔

۲۔ دنیاوی تعلیم اگر دین کے تابع ہو، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہو تو وہ بھی دینی تعلیم بن جاتی ہے اور یہی کامیابی کیلئے ضروری ہے۔

یہ صاف اور واضح ہے کہ کلمہ طیبہ میں شامل محمد رسول اللہ کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور آپ ﷺ کی اتباع کئے بغیر انسان کو اپنی ذات کا عرفان حاصل نہیں ہوسکتا۔ نتیجتاً وہ اپنے ربّ کو پہچاننے سے قاصر رہتا ہے۔ اسی طرح دنیاوی تعلیم وہنر کے بغیر ہم حلال رزق نہیں کما سکتے۔ لہذا شیطان اور اس کی ذریت کے آسان شکار بن جاتے ہیں۔ اسلام کے دشمنوں کو صدیوں پہلے اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ مسلمان فاقے سے مرنے اور شہادت کی موت سے نہیں ڈرتا۔ لہذا اسے مفتوح یا مغلوب کرنا ناممکن ہے۔ انہوں نے ایک شیطانی منصوبہ بنایا کہ ان کو سود اور

اسی طرح کے حرام ذرائع آمدن کا رسیا بنا کے، انہیں فحاشی کا خوگر بنا کر، فرقہ بندی میں مبتلا کر کے مالی طور پر اپنا دستِ نگر اور بڑے بڑے سودی قرضوں کا محتاج بنا کے اور عام آدمی کو تعلیم کے زیور سے محروم کر کے، ان کے تعلیمی نصاب سے اسلامی عنصر خارج کرا کے، انہیں لادین بنا کر، ان کے دلوں سے حضرت محمد ﷺ کی محبت نکال دو تا کہ یہ عملی مسلمان ہی نہ رہیں۔ نام کے مسلمان رہ جائیں گے تو بغیر کوئی ضائع کیے مغلوب ہو جائیں گے۔ پہلے مسلمانوں نے دین کی محنت کو چھوڑا، ذکر اور فکر کو چھوڑا اور دنیا کی رنگ رلیوں میں کھو گیا اور دشمن اپنے منصوبے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال دو

(ضربِ کلیم۔علامہ اقبالؒ)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو شاہکار تخلیق کیا اور اسی پر بس نہیں کیا، بطور مسلم ہمیں اپنے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کا غلام بنایا جو خیرا لخلائق ہیں اور ان کے طفیل ہمیں خیر اُمت کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ بجائے اس کے کہ ہم ان اعزازات اور احسانات کا جو اللہ کریم نے ہم پر کیئے، شکر ادا کرتے اور ہم ہر دم اُس کے ذکر کا کلمہ بلند کرتے، ہم نے نافرمانی کی۔ ہم اپنی مرضی پر چلے، ناشکری کی۔ بلکہ اس کی یاد سے غفلت کا روّیہ اپنایا۔ چشم زدن میں ہم نے اس کریم ذات کے احسانات کو بھلا دیا اور اپنے آپ کو احسنِ تقویم سے اسفل سافلین کے درجے تک گرا لیا بلکہ عملاً بعض اوقات تو حیوانوں سے بھی نیچے گر گئے، سوائے ان لوگوں کے جو اس وقت کو بھی یاد رکھتے ہیں جب انسان کا وجود تک نہ تھا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کر کے معرفت الٰہی کا درجہ حاصل کرتے ہیں، کیونکہ اگر انسان محبت و معرفتِ الٰہی کے حصول میں ناکام رہتا ہے تو اپنی ذات کے عرفان سے بھی محروم رہتا ہے۔

انسان کا وجود جسم اور روح سے عبارت ہے اور بغیر روح کے وہ ایک بے جان بت ہے اور بغیر اللہ کے ذکر کے ایک چلتا پھرتا حیوان ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کے احکامات کے آگے سجدہ ریز نہیں ہوتا تو پھر وہ باغی ہے اور شیطان کا ساتھی اور ہمنوا ہے۔ سوائے اس شخص کے جو اپنے علم و آگہی سے کام لیتا ہے، ہدایت کا طلب گار ہوتا ہے اور اپنی تخلیق کے مقصد سے بہرہ ور ہوتا ہے اور اسے یہ شعور حاصل ہوتا ہے کہ اپنے خالق سے مضبوط تعلق جوڑے بغیر وہ محض ایک حیوان ہے۔ قرآن بے بہرہ انسانوں کا ذکر (سورہ الاعراف: ۱۷۹ میں) یوں فرماتا ہے:

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُون

ترجمہ: ''وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ، وہی لوگ ہیں غافل۔''

اپنی حیوانی سطح سے بالا ہونے کیلئے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی روح کو اللہ کے نور سے سیراب کرے۔ بعینہٖ جیسے وہ اپنے معدے کو خوراک سے بھرتا ہے۔ کیونکہ ہمارا جسم مٹی سے بنا ہے اس لئے ہم اپنے جسم کو وہ خوراک دیتے ہیں جو زمین سے اُگتی ہے۔ اسی طرح ہماری روح اللہ کے حکم سے ہے۔ (قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) تو اس کی غذا بھی براہِ راست اللہ کے نور سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنی روح کو اس کے علاوہ کوئی اور غذا دیں گے تو اس فطری فعل میں حرج ہوگا۔ ہم اپنی روح کو شیطانی، ناجائز اور ممنوع اعمال کی غذا نہیں دے سکتے۔ اس کی اصل غذا اور تازگی تو اللہ کے ذکر سے حاصل ہوتی ہے۔ انسانی جسم کا ایک ایک عضو اپنے خالق کی مہارت تامّہ کی گواہی دے رہا ہے۔ جب ہم اپنے جسم کی ساخت اور اس میں جاری مختلف نظاموں کی پیچیدگی پر غور کرتے ہیں تو یہ ایک عظیم خالق کا پتہ دیتے ہیں۔ اگر ہم ان بے شمار نعمتوں پر غور کریں جو اللہ کریم نے انسان کیلئے پیدا فرمائی ہیں ہمیں اللہ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ٥ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْن٥

ترجمہ: ''اور سبقت کرنے والے تو سبقت کرنے والے ہیں، وہی ہیں مُقرب۔'' (الواقعہ)

جب ہم اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور عاجزی سے اپنی جبینِ نیاز اسکے احکامات کے آگے خم کردیتے ہیں تاکہ ہمیں تقویٰ حاصل ہو اور جب ہم اس کی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں تو بدلے میں اللہ کریم ہمیں مزید انعامات سے نوازتے ہیں ۔اس کی رحمتیں ہمیں گھیر لیتی ہیں۔اور وہ ہمارا ذکر اپنے فرشتوں کی مجلس میں کرتا ہے۔"میں اپنے فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تو اے میرے فرشتو! تم بھی میرے فلاں بندے سے محبت رکھو۔"

اگر ہم اپنے دلوں کو غفلت کا زنگ لگا دیں تو وہ سخت ہوجاتے ہیں، تاریک ہوجاتے ہیں، روحانیت ان میں سے رخصت ہو جاتی ہے اور پھر شیطانی اور حیوانی افعال ان سے سرزد ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔دین کی محبت اور دنیا کی محبت دونوں ایک دل میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں جیسے پانی اور آگ اکٹھے نہیں ہوسکتے۔ایسی صورت میں مختلف روحانی امراض حملہ آور ہوکر ہماری روحانیت کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔ہم اپنی روحانی ضرورتوں سے جتنا غفلت برتیں گے ہم اتنا ہی شیطان کا تر نوالہ بن جائیں گے۔اسی طرح ہماری معاشرتی زندگی میں بگاڑ اور فساد راہ پالیتا ہے اور ہم معاشرہ میں فساد اور بگاڑ یعنی برائیوں کو پھیلانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین فطرت پر یعنی فطرت سلیمہ (دین اسلام) پر پیدا کیا ہے۔ ہم اپنا تزکیہ نفس کرکے اعلیٰ ترین مدارج حاصل کرسکتے ہیں۔اس کے لئے ہمیں اللہ کے احکامات کی سختی سے پیروی کرنا پڑے گی۔جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے وہ کرنا ہونگے اور جن سے منع کیا گیا ہے ان سے رکنا ہوگا۔(امر بالمعروف ونہی عن المنکر) اور انہی کاموں کی ہمیں اپنے آپ کو تعلیم دینا ہوگی۔

اسلام کے متعلق نومسلموں کے تاثرات

(ڈاکٹر غلام جیلانی برق)

اسلام کے مدّاح صرف ہم ہی نہیں بلکہ غیر مسلم بھی ہیں۔ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں سمیٹنے کیلئے ایک الگ کتاب چاہیے۔میں صرف چند اسماء پر اکتفا کروں گا،اور زیادہ توجہ اُن نومسلموں پہ دوں گا جو اسلام کے کسی پہلو سے متاثر ہونے کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔اور اسلام پر طویل بیان دیئے تھے۔

1- لارڈ فاروق:

پورا نام رائٹ آنریبل سر راوَلینڈ جارج اَیلنسن ہیڈ لے تھا۔۱۸۵۵ء میں پیدا ہوئے۔کیمبرج میں تعلیم پائی۔۱۹۱۸ء میں اسلام لائے۔اسلامی نام فاروق رحمت اللہ رکھا گیا۔ اور ۱۹۴۸ء کے قریب وفات پائی۔ان کی تصانیف میں سے ''اے وَیسٹرن اَویکننگ ٹو اسلام'' بہت مشہور ہے۔ اسلام لانے کے متعلق لکھتا ہے: -

''میں کسی کے کہنے پر مسلمان نہیں ہوا، بلکہ یہ تبدیلی میرے طویل مطالعہ وفکر کا نتیجہ تھی۔ میں نے زندگی کے متعلق کچھ اصول ونظریات قائم کیے تھے جو اسلامی تعلیمات کے عین مطابق تھے۔اسلام اور عیسائیت دونوں ملتے جلتے مذہب ہیں۔یہ ایک ہی درخت کی شاخیں معلوم ہوتی ہیں۔ان کے بنیادی اُصول ایک ہیں۔اگر فرق ہے تو صرف فروع میں، میں ایسے ہزارہا افراد کو جانتا ہوں، جو ذہناً مسلمان ہیں لیکن تنقید کے خوف سے اعلان نہیں کر سکتے۔(مُلخّص: اسلام اَور چانس۔ص:۱۴)

2- محمد اَسد آسٹروی:

اسد آسٹریا کا رہنے والا تھا۔اصلی نام لیئو پولڈ وِس ُ۔ ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوا۔

۱۹۲۶ء کے قریب اسلام لایا۔اور ''اسلام چوراہے پر'' لکھی۔ظہورِ پاکستان کے بعد لاہور میں آ گیا۔یہاں محکمۂ ''اسلام کی تعمیرِ نو'' میں ڈائریکٹر مقرر رہا۔ساتھ ہی ایک مجلّہ ''عرفات'' نکالا۔دستورِ اسلامی پر بھی ایک کتاب لکھی۔صحیح بخاری کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا۔

ایک مرتبہ اس سے کسی نے اسلام لانے کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگا:

''میرے پاس اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں ہے۔ مجھے اسلام کی کسی خاص تعلیم نے اپنی طرف نہیں کھینچا بلکہ میں اسکی عام اخلاقی و روحانی تعلیمات، نیز عملی پروگرام سے متاثر ہوا ہوں۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے، جس کا ہر جزو دوسرے سے ہم آہنگ ہے۔اس میں نہ کوئی زائد ہے، نہ کم۔یہ ہر طرح سے مکمل، آراستہ اور متوازن ہے۔گو ! آج کا مُسلمان عملاً مسلمان نہیں رہا۔اسلام ایک زبردست طاقت ہے جو نوعِ انسان کو فلاح و مسرّت سے ہم کنار کر سکتی ہے۔

(ملخّص : اِسلام اَوَر چائنس۔ ص ۱۷)

3- ھملٹن:

سر چارلس ایڈورڈ آرچی بالڈ ہملٹن انگلستان کا رئیس تھا۔فوج میں بھی رہا۔۱۹۲۶ء میں اسلام لایا۔اسلامی نام عبداللہ رکھا گیا۔یہ لکھتا ہے:

''میرے لئے عیسائیت ایک چیستان تھی، اور اسلام کی آواز گویا میرے ضمیر کی آواز تھی۔عیسائیت انسان کو فطرتاً گناہ گار سمجھتی ہے اور اسلام اسے معصوم قرار دیتا ہے۔ظاہر ہے کہ اسلام کا یہ فیصلہ زیادہ معقول ہے۔'' (ملخّص : اِسلام اَوَر چائنس۔ ص:۱۹)

4- الیگزینڈر رسّل:

محمد الیگزنڈر رسّل وسٹ ریاست کولمبیا (امریکہ) کے شہر ہڈسن کا رہنے والا تھا۔ ۱۸۴۶ء میں پیدا ہوا۔بڑے ہو کر سیاست اور جرنلزم میں نام پایا۔ ۱۸۸۷ء میں اسلام لایا اور

۱۹۱۶ء میں فوت ہوا۔اسلام لانے کے بعد اس نے ایک بیان میں کہا:

''میں اس لئے مسلمان ہوا ہوں کہ صرف اسلام ہی انسان کی روحانی ضروریات کو پورا کرسکتا ہے۔میں بیس سال کی عمر ہی میں کلیسا کے بے جان نظام سے متنفر ہو گیا تھا۔اس کے بعد مِل، لاک، کانٹ، ھیگل، فشٹے، ھکسلے اور اسی قسم کے دیگر علماء وحکماء سے ملا۔ ان لوگوں نے مجھے نباتاتی وحیوانی زندگی نیز ایٹم وغیرہ کے متعلق تو بہت کچھ بتایا لیکن یہ نہ سمجھایا کہ روح کیا ہے؟ اور بعد از مرگ وہ کہاں چلی جاتی ہے۔ان سوالات کا جواب اسلام نے فراہم کیا۔ میرا قبولِ اسلام کسی فوری جذبے کے تحت نہیں بلکہ مسلسل دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تحقیق کا نتیجہ تھا۔

اسلام کا ماحاصل اللہ کی مشیت کے سامنے جُھک جانا ہے اور عبادت اس کا سنگِ بنیاد ہے یہ عالمگیر محبت، اخوت، مروّت، نیز پاکیزگیٔ قول وعمل کی تعلیم دیتا ہے۔میرے خیال میں یہ دنیا کا بہترین اور عظیم ترین مذہب ہے۔'' (ملخّص: اِسلام اَوَر چائنس۔ص:۲۱)

5- لَیمرُ ٹین :

لَیمرُ ٹین ایک فرانسیسی مُستشرق تھا۔اس نے اپنی کتاب میں پیغمبرِ اسلام ﷺ پر بھی کچھ لکھا تھا۔جس کا ترجمہ اخبار روزنامہ جنگ ۲۴ ستمبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا ہے چند جملے یہ ہیں:

'' پیروانِ اسلام نے صرف ایک صدی میں ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر، مراکش سپین، چین اور سندھ فتح کرلیا تھا۔اگر نصب العین کی بلندی اور نتائج کی درخشندگی، کمال قیادت کا معیار بن سکتی ہے تو محمد ﷺ کے مقابلے میں کسی اور رہنما کو قطعاً پیش نہیں کیا جاسکتا۔آپ ﷺ ایک عظیم مفکر، بلند پایہ خطیب اور بے نظیر مُقنّن تھے۔آپ ﷺ نے شہروں اور قلعوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دلوں کو بھی فتح کیا۔''

6- لارڈ بَرنٹَن :

لارڈ بَرنٹَن انگلستان کا ایک نواب تھا جو اسلام قبول کرنے سے پہلے برسوں لاہور کی

ایک بستی اچھرہ میں رہا۔اس کا کام خیر کی تبلیغ تھا۔یہ گلی گلی گھوم کر لوگوں کو دیانت،صداقت،محبت اور خدمت کا درس دیا کرتا تھا۔آخر یہیں اپنے ایک مسلمان دوست امیر الدین کی ترغیب پر مسلمان ہوگیا۔اس کا اسلامی نام جلال الدین رکھا گیا۔ایک بیان میں کہتا ہے:

''عیسائیت کا یہ عقیدہ، کہ انسان فطرتاً گناہ گار پیدا ہوا ہے۔خدا کے متعلق یہ تصور قائم کرتا ہے کہ وہ بے رحم اور سنگ دل ہے۔مجھے اس عقیدہ سے نفرت ہوگئی اور میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کر دیا یہ مجھے بہت پسند آیا۔کیوں کہ یہ ایک سادہ اور فطری مذہب ہے۔خلوص،محبت تحمل اور ہمہ گیر اخوت کا داعی''۔ (ملخّص: اِسلام اَوَر چائنس۔ص:۲۲)

7- محمد امان (جرمنی):

محمد امان کا جرمن نام معلوم نہیں ہوسکا۔یہ ایک نیم سیاسی مشنری تھا جو عیسائیت کو چھوڑ کر اسلام لے آیا۔اسلام کے متعلق اس کے تاثرات یہ تھے:

''اسلام کے بنیادی اصول اس قدر معقول،فطری اور جاذبِ توجہ ہیں کہ کوئی طالبِ صداقت اِن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔مثلاً توحید کو لیجیے،اس سے تین فوائد حاصل ہوتے ہیں:

اوّل: انسان ماسوا کی غلامی سے نکل جاتا ہے۔ دوم: توہمات سے بچ جاتا ہے۔

سوم: نوعِ انسانی کو مساوات واخوت کی ایک محکم اساس مل جاتی ہے۔

اسی طرح آخرت کا عقیدہ اور یہ تصور کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے۔اور سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ انسان کو گناہ سے بچاتا ہے۔اسلام کی صلوٰۃ باقاعدگی سکھاتی ہے اور صوم ضبطِ نفس کا درس دیتا ہے کون نہیں جانتا کہ باقاعدگی اور ضبط،عظیم و صالح افراد کی صفات ہیں۔

میں نے کمیونزم ، نازی ازم اور جمہوریت کا بھی مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ایک باوقار اور شریفانہ زندگی کے اُصول صرف اسلام میں ملتے ہیں۔

(ملخّص: اِسلام اَوَر چائنس۔ص:۲۴)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ (۵۰۵ھ .... ۶۳۳ھ)

(شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ)

آپؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر خلفاء، اکابر اولیاء اور عظیم القدر صوفیا میں سے تھے۔ فقر و فاقہ میں ممتاز تھے اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں بڑے مستغرق اور محو تھے، اگر کوئی آپ سے ملنے کیلئے آتا تو تھوڑی دیر اس کی طرف متوجہ رہنے کے بعد معذرت کے ساتھ رخصت لے لیتے اور پھر یادِ الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔

روایت: منقول ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک بنیا رہتا تھا، شروع شروع میں آپ اس سے قرض لیتے تھے اور اس سے فرما دیتے کہ جب تمہارا قرض تیس درہم تک ہو جائے تو اس سے زیادہ نہ دینا، جب کشائش حاصل ہوتی تو آپ قرض ادا فرما دیتے۔ اس کے بعد آپ نے پختہ ارادہ فرمایا کہ کبھی قرض نہ لوں گا۔ اس کے بعد اللہ کے فضل و کرم سے ایک روٹی مصلے کے نیچے سے نکل آتی اسی پر تمام گھر والے گزارا کر لیتے، اس بنیے نے خیال کیا کہ شاید حضرت شیخؒ مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں جو قرض نہیں لیتے، اس نے جستجوئے حال کیلئے حضرت خواجہ کے گھر بھیجا، حضرت شیخ کی اہلیہ محترمہ نے صحیح صحیح حالت اس کی بیوی کو بتا دی، اس کے بعد سے وہ روٹی ملنا بند ہو گئی (چونکہ آپ کو منجانب اللہ مصلے کے نیچے سے روٹیاں ملا کرتی تھیں جس پر آپ کے گھرانے کی گزر اوقات تھی اس لئے آپ کو کاکی کہتے کہ کاکی افغانی زبان میں روٹی کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ آپ بلاد ماوراالنہر کے قصبہ اوش کے رہنے والے تھے اس لئے آپ کو اوشی کہا جاتا ہے)

شیخ نظام الدین اولیاء سے منقول ہے، فرماتے ہیں کہ شیخ معین الدین اجمیریؒ نے شیخ قطب الدینؒ کو پانچ سو درہم تک قرض لینے کی اجازت دیدی تھی، لیکن جب آپ درجہ کمال پر پہنچے تو اس سے بھی دست برداری فرمالی۔

روایت: منقول ہے کہ خواجہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابتدائی دور میں نیند کے غلبہ کے بعد تھوڑا سو لیتے تھے لیکن آخری زمانہ میں یہ بھی بیداری سے تبدیل ہوگیا۔

شیخ محمد نور بخشؒ نے اپنی کتاب "سلسلۃ الذھب" میں آپؒ کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ "بختیار اوشیؒ بڑے ولی، سالک مجاہد و ریاضت میں ممتاز اور خلوت و عزلت کو پسند کرنے والے، اپنے چلوں میں کم خواب، کم خور، کم گو اور ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہنے والے اور باطنی حالات و مکاشفات میں بڑے بلند پایہ تھے۔

روایت: منقول ہے کہ آپ ہر رات تین ہزار مرتبہ درود شریف پڑھنے کے بعد سویا کرتے تھے، انہیں ایام میں آپ کا نکاح ہوا، اور تین روز تک درود شریف نہ پڑھ سکے، ایک شخص نے جس کا نام رئیس تھا حضورﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ فرمارہے تھے کہ بختیار کاکیؒ کو ہمارے سلام کے بعد کہنا کہ تم ہر رات جو تحفہ ہمیں بھیجا کرتے تھے، تین رات سے وہ ہمیں نہیں پہنچا۔

روایت: منقول ہے کہ شیخ علی سکویؒ کے مکان پر صحبت احباب گرم تھی، خواجہ بختیار کاکیؒ بھی وہاں موجود تھے، اور شیخ علیؒ ایک بزرگ حضرت خواجہ معین الدین حسنؒ کے رشتہ دار اور خواجہ قطب الدینؒ کے ہمسایہ تھے ان کا مزار بھی خواجہ صاحب کے مزار کے قریب ہے۔ اس محفل سماع میں قوال نے شیخ احمد جامؒ کا یہ شعر پڑھا:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را! ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

(خنجرِ تسلیم و رضا کے شہیدوں کو ہر گھڑی غیب سے ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے)

خواجہ صاحب پر اس شعر سے ایک وجد طاری ہوا اور چار شبانہ روز اسی شعر سے عالم تحیر میں مبتلا رہ کر پانچویں رات رحلت فرما گئے۔

اقتباس از دلیل العارفین

☆ ...... "دلیل العارفین" میں لکھا ہے کہ جمعرات کے دن خواجہ قطب الدین کاکیؒ کو اجمیر کی جامع مسجد میں اپنے شیخ کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا مجلس میں درویش، مرید، عزیز حاضر تھے، ملک الموت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی تو آپ نے فرمایا "موت کے بغیر دنیا کی ذرہ برابر قیمت نہیں" دریافت کیا یہ کیسے؟ فرمایا "اس لئے کہ موت ایک پل ہے جسے عبور کر کے حبیب ،حبیب سے ملتا ہے۔" پھر فرمایا کہ دوستی دل سے ہوا کرتی ہے نہ کہ زبان سے، اور جو چیزیں تمہیں معلوم ہیں ان سے خاموشی اختیار کرو تو عرش کے گرد طواف کرنے لگو"۔

فرمایا کہ عارف کی مثال چمکنے والے آفتاب کی طرح ہے جس کے نور سے پوری دنیا روشن ہے۔ پھر فرمایا کہ اے درویش! ہمیں یہاں لایا گیا ہے، ہماری قبر بھی یہیں ہوگی ۔اور چند روز کے اندر ہم سفر آخرت کریں گے، اس کے بعد شیخ علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ ایک تحریر لکھو کہ قطب الدینؒ دہلی روانہ ہو جائے، ہم نے خلافت سجادہ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کو دیدی اور ان کا مقام دہلی ہوگا، جب حکمنامہ ہو گیا تو اس فقیر (خواجہ بختیار کاکیؒ) کو عنایت فرمایا، اس فقیر نے سرِ تسلیم جھکا دیا، پھر فرمایا، ذرا قریب ہوا تو دستار و کلاہ میرے سر پر رکھ کر خواجہ عثمان ہارونیؒ کا عصا عطا فرمایا اور خرقہ پہنا کر قرآن کریم، جائے نماز اور نعلین عطا فرمائے اور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ کی یہ امانت مشائخ چشت کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے تم بھی اسے جاری رکھنا تا کہ قیامت کے دن مشائخ کے سامنے شرمندگی اٹھانا نہ پڑے، اس فقیر نے سر جھکا دیا، پھر دو رکعت نماز ادا کی، اس کے بعد حضرت مرشدؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا، اب جاؤ ، سپردِ خدا، اللہ تعالیٰ تمہیں منزل پر پہنچائے۔

پھر فرمایا کہ چار چیزیں نفس کا جوہر ہیں، اوّل درویشی میں تونگری کرنا، دوم بھوک میں سیر نظر آنا، سوم غم میں مسرور معلوم ہونا، چہارم دشمن سے بھی دوستی کا معاملہ کرنا، پھر فرمایا جہاں بھی جاؤ کسی کا دل نہ دکھانا، اور جہاں بھی جاؤ مردوں کی طرح رہنا۔

میں دہلی میں آ کر مقیم ہو گیا اور تمام حکام وعوام مجھ فقیر کی جانب رجوع ہونے لگے، چالیس روز نہیں گزرے تھے کہ ایک قاصد یہ پیغام لایا کہ حضرت معین الدینؒ آپ کے روانہ ہونے کے بیس روز کے بعد واصل بحق ہو گئے۔ رحمھا اللہ تعالیٰ۔

☆.....فرمایا کہ عارف ہمیشہ عشق کے ولولہ میں رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تخلیق میں حیران رہتا ہے اگر وہ کھڑا ہے تو اس حالت میں بھی اپنے محبوب حقیقی کے خیال ہی میں ہوتا ہے اور اگر بیٹھا ہے تو پھر بھی اپنے دوست کے ذکر میں ہوتا ہے اور اگر سویا ہو تو دوست کے خیال میں متحیر ہوتا ہے۔

☆..... پھر فرمایا کہ صاحب عشق صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد طلوع آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھے رہتے ہیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ان کا سجدہ قبول ہو جائے اور لمحہ بہ لمحہ ان پر تجلیات الٰہی کے انوار ضوفگن رہیں۔

☆.....فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے اور ستون پر ہی مکان کا دارومدار ہوتا ہے اگر ستون سلامت ہے تو گھر سلامت ہے اور اگر مکان کا ستون ہی گر گیا تو پھر گھر بھی بے کار ہے۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے: اَلْاِیْمَانُ لِمَنِ الصَّلٰوۃُ لَہٗ یعنی "ایمان تو اسی شخص کا ہی معیاری ہوتا ہے جو نماز کا پابند ہو"۔ پھر فرمایا کہ نماز تو پروردگار عالم کی طرف سے بندوں پر ایک امانت ہے اللہ تعالیٰ کی اس امانت کی حفاظت کرنا تمام بندوں پر واجب ہے اور اس طرح ادا کریں کہ کہیں بھی خیانت کا شائبہ نہ پایا جائے۔ انسان رکوع وسجود صحیح طریقہ سے ادا کرے۔ جو نماز کا حق ادا نہیں کرتا تو فرشتے اس کی نماز کو آسمان پر لے جانے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے، بارگاہ ایزدی سے حکم آتا ہے کہ اس نماز کو واپس لے جاؤ اور اسے نمازی کے منہ پر مارو۔ اس وقت یہ نماز اپنی زبان حال سے کہے گی کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا۔ فرمایا کہ اگر تو نے نماز کا حق ادا کر دیا تو سمجھ لو تم نے خاص کام کر لیا ورنہ سمجھ لینا کہ اپنی عمر کو غفلت میں ضائع کر بیٹھے۔ آپؒ نے فرمایا کہ جو جھوٹ بولتا ہے، یا جو شخص جھوٹی قسم کھاتا ہے وہ اپنے گھر بار کو ویران کرتا ہے اس کے گھر سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔

یقین محکم

(حکیم محمد سعیدؒ)

انبیائے کرام علیہم السلام انسانوں کو جن باتوں پر ایمان و عمل کی دعوت دیتے ہیں ان کے بارے میں ہمیں یہ سمجھ لینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے کامل یقین اور غیر متزلزل ایمان مطلوب ہے، اس لئے کہ ہمارے سارے اعمال و افعال کا سر چشمہ ہمارا اعتقاد ہے اور انبیائے کرام نیز ان کی لائی ہوئی ہدایتوں پر ہمیں اگر راسخ اعتقاد نہ ہو تو ہمارا کوئی کام درست نہیں ہوسکتا۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا: "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر۔" (النساء ۱۳۶)

یہاں ایمان کے باوصف دوبارہ جس بات کا حکم دیا جارہا ہے وہ یقینِ محکم ہے۔

یہ ایک اصولی بات ہے کہ کسی دستور کی بہتری اور اچھائی پر ہمیں مکمل یقین نہ ہو تو ایمان و دیانت کے ساتھ اس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔ اور ایسے کمزور اور غیر یقینی عقیدہ اور فکر کا کوئی اثر ہمارے قلب و ضمیر پر کبھی مرتب نہیں ہوسکتا اور جب قلب اصلاح پذیر نہ ہو تو اعمال میں انقلاب کس طرح پیدا ہوسکتا ہے؟ ایمان کا اصل مقصد تو اسی مصدرِ ارادہ و عمل یعنی قلب کی اصلاح ہے۔ اس کی اصلاح یقینِ محکم کے بغیر نہیں ہوسکتی، اس لئے یقینِ محکم کی دعوت دی جارہی ہے کہ فکر و عمل کی دنیا میں حقیقی انقلاب برپا کرسکے۔ اہلِ ایمان کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ انہیں معمولی ساشبہ بھی نہیں ہوتا۔ نصِ قرآنی ہے:

ترجمہ: حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں، پھر انہوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں۔ (الحجرات: ۱۵)

اس آیت میں جس شک و شبے کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس ذہنی کیفیت کا نام ہے جو یقینِ محکم کے برعکس ہے۔ آپ تھوڑی دیر کیلئے سب سے پہلے عقیدۂ توحید پر غور کر لیجئے کہ جو اسلام کا پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے۔ اگر کوئی شخص زبان سے تو اس کا اظہار کرتا ہے اور وہ اس ایمان کا دعویٰ کرتا ہے

کہ لازمی طور پر اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی اور حاکمیت کے داغ دھبوں سے اس کی پوری زندگی کا دامن پاک ہونا چاہیے۔اس کی زندگی کا سارا نظام اس کی نازل کردہ ہدایت پر مبنی ہونا چاہیے۔اس کو غیر اللہ میں ان تمام صفات کا پوری طرح انکار کر دینا چاہیے جو معبودِ حقیقی کے خلاف ہیں۔ اپنی اُمیدوں، آرزوؤں، ترجیحات اور اپنی خواہشات کے سلسلہ میں اپنا یہ احتساب ضرور کر لینا چاہیے کہ ان سے اس عقیدۂ توحید کی نفی تو نہیں ہوتی ؟۔اگر ہم اپنے دعویٰ کے باوجود احکام الٰہی کے مکمل اتباع کی بجائے غیر اللہ سے خائف ہیں اور اللہ کے ساتھ ساتھ کسی دوسرے کو بھی اپنے طرزِ عمل سے نفع ونقصان کا مالک سمجھتے ہیں تو یہ دعویٰ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ ایسے عقیدے کو کس طرح پختہ اور شک وشبہ سے پاک کہا جاسکتا ہے۔اسے تو رسمی اعتقاد کہا جاسکتا ہے۔اللہ کو تو رسمی اعتقاد کی بجائے مستحکم عقیدہ اور کمزور ایمان کی بجائے محکم یقین مطلوب ہے۔اسی لئے حضور ﷺ کو یہ حکم ہوا: اے پیغمبر! کہہ دو کہ اصلی ہدایت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔''(الانعام:۷۱)۔آپ ﷺ قرآن پاک کی صورت میں جو نظام حیات لائے ، اگر ہماری خواہش اور ہمارا عمل مکمل طور پر اسکے تابع نہیں تو کمال ایمان اور یقین محکم کی دولت ہمیں حاصل نہیں ہوسکتی۔جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ایمان کی قوت اور کمزوری کا اندازہ عمل سے ہوتا ہے۔قرآن پاک کا ایک طرزِ خطاب یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ذکر اس طرح کرتا ہے ۔''اِنْ کُنْتُمْ مُؤْمِنِین ''۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اپنے ایمان کے دعویٰ میں سچے ہو، کامل ہو اور پختہ یقین رکھتے ہو، مثلاً ''اور تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن ہو۔''(آل عمران:۱۳۹) گویا بلندی اور غلبہ کو صرف ایمان نہیں بلکہ کمالِ ایمان اور یقین محکم کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ خطاب اہل ایمان ہی سے تھا۔یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کسی اصول اور ضابطے کی سچائی کا یقین محکم انسان میں عزم وعمل پیدا کرتا ہے،اس میں ہمت وشجاعت پیدا کرتا ہے۔ جو شخص اس نظام سے متعلق علم وعقیدہ کی اس منزل پر نہ ہو جسے یقین محکم کہتے ہیں اس کی اچھائی اور سچائی کو خود اپنے لئے بھی یہ جان و دل سے تسلیم نہ کر سکا ہو اور کوئی خلش اس کے دل میں رہ گئی ہو تو وہ کس طرح دوسروں کو

اس نظام کے قبول کرنے کی دعوت دے گا۔؟ اگر وہ عام فضا سے متاثر ہو کر راہِ حق میں دوسروں کا شریک سفر بھی ہو جائے گا تو اس کی رفتار میں دلی جوش اور اس کی گفتار میں اخلاص نہیں ہوگا اور قول و عمل میں جب یہ ہم آہنگی نہ ہوگی تو ایمان و یقین کی برکتوں سے خود اس کی زندگی بھی محروم رہے گی اور اس کا وجود مسلمانوں کے لئے بھی مفید ثابت نہ ہوگا۔ ایمانیات کا ایک اہم حصہ آخرت کا اقرار بھی ہے۔ دراصل یوم جزا و سزا ہی پر ایمان سے زندگی کے متعلق ہمارے تصور میں تبدیلی آتی ہے اور ہم یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ دنیا سب کچھ نہیں ہے اور ہم تمام اعمال کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہونگے اور ہمارا ظاہر و باطن سب پر عیاں ہے اور چھوٹے سے بڑے عمل تک کوئی چیز اس کے محاسبے سے بچ نہیں سکتی تو ہمارے اندر ذمہ داری کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ ہم کسی چیز کو حتیٰ کہ اپنی جان کو بھی اپنی ملکیت نہیں سمجھتے اور ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں ہم اللہ کی مرضی کی تکمیل کیلئے آئے ہیں اور اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ کیونکہ یہ زندگی فانی ہے اور وہ زندگی جو اس کے بعد آئے گی باقی رہنے والی ہے، لیکن یہ صفات کسی کمزور ایمان کے نتیجے میں نہیں پیدا ہوں گی بلکہ یقین محکم کے فیضان سے پیدا ہونگی۔ اسی لئے قرآن پاک نے آخرت کے سلسلے میں مومنوں کی صفت اس طرح بیان کی ہے: ترجمہ: ''اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔'' (البقرہ:۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کو آخرت کا معمولی اعتقاد اور سرسری تصور مطلوب نہیں بلکہ یقین کامل مطلوب ہے، ایسا یقین جیسے انسان اپنی آنکھوں سے روزِ جزا اور اس کے مناظر کو دیکھ رہا ہو۔ اس یقین کے بغیر اس میں نہ خدا ترسی پیدا ہوگی، نہ تقویٰ ہوگا اور نہ اخلاق و اعمال میں درستی آئے گی، اس لئے آخرت کے ذکر کے ساتھ یومنون کی بجائے یوقنون کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔

اگر ہم سے کوئی ایسی بات سرزد ہوتی ہے جو یقین آخرت کے خلاف ہو تو ہمیں سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارا یقین عملی طور پر شک اور تردد میں بدل گیا ہے یا پھر عملاً ہم اپنے آپ کو آخرت پر یقین رکھنے والا انسان ثابت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ قول و عمل کا یہ تضاد اہل ایمان کا شیوہ نہیں۔

جہاں کہیں ہمارے عمل میں کوئی خامی یا اخلاق میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اس کے اسباب کی جستجو کیلئے دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اپنے ایمان کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ کہیں اس میں کوئی کمزوری تو نہیں آگئی ہے۔؟ ایسا تو نہیں کہ ہمیں توحید و رسالت اور آخرت پر پختہ یقین نہیں رہ گیا ہے۔

فرامین قبلہ محمد صدیق ڈار صاحبؒ

کثرت ذکر کے احکام و فضائل سے آپ واقف ہیں۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا ذکر فرمایا ہے کہ اُن کے پہلو خوابگاہوں سے دور رہتے اور راتیں سجود و قیام میں گزارتے ہیں۔حضورؐ کی سیرت مبارکہ میں بھی نفل نمازوں کے دوران لمبے لمبے سجدوں اور طویل قیام کے واقعات رقم ہیں۔لیکن مردِ مومن کی زندگی کا دوسرا پہلو علم کی قوت سے مادی طاقتوں کی تسخیر ہے،جس پر عمل کرنا بھی ارکانِ اسلام کی پابندی کی طرح ہی اہم ہے۔

علوم جدید اور قوتِ حدید سے حاصل کردہ ٹیکنالوجی کے بغیر اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان پر کیونکر عمل ہوسکتا ہے کہ ''جہاں تک ہوسکے ذرائع قوت اور تیار گھوڑوں یعنی ذرائع مواصلات سے مستعد رہو تا کہ تمہارے کھلے دشمنوں پر اور اُنکے سوا دوسرے لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے لیکن اللہ انہیں جانتا ہے ہیبت چھائی رہے''۔(الانفال ۔60) جب تک مسلمانوں نے اِن احکام پر کما حقہٗ عمل کیا تو تقریباً ایک ہزار برس تک تمام علوم و فنون میں دنیا کی امامت کرتے رہے اور اقوام عالم پر اپنی سیادت قائم رکھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تسخیر و ایجاد کی جو صلاحیتیں عطا کر رکھی ہیں اِن کا یہی تقاضہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات پر اپنا تصرف قائم کرے۔ **(اقتباس از مقصود حیات)**

اعمال الصالحین

(نادیہ طالب)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا ہے۔ جب میں مکہ معظّمہ میں تھا، ایک حجام ایک خواجہ کی حجامت بنا رہا تھا۔ میں نے کہا "کیا میرے بال بھی اللہ کے لئے کاٹ دو گے؟"۔ اس نے کہا "ہاں" اسکی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ ابھی تک اس خواجہ کی حجامت پوری نہ بنی تھی کہ حجام نے کہا "آپ اب اٹھ جایئے کیونکہ جب اللہ کا نام درمیان میں آ گیا میں نے سب کچھ پا لیا" پھر مجھ کو بٹھایا۔ میرے سر کو بوسہ دیا، میرے بال مونڈ دیئے اس کے بعد مجھے ایک کاغذ دیا اس میں ریزگاری تھی۔ مجھے کہا "اسے اپنی ضرورت پر خرچ کرنا" میں نے اس کی یہ حالت دیکھی تو نیت کی کہ اوّل جو کشائش مجھے نصیب ہوگی میں اس کے ساتھ مروت کروں گا۔ ابھی بہت دن نہ گزرے تھے کہ لوگوں نے مجھے بصرہ سے ایک اشرفیوں کی تھیلی بھیج دی۔ میں اسے لے کر اسی حجام کے پاس گیا جب میں نے وہ تھیلی اس کو دی تو اس نے کہا "یہ کیا ہے؟" میں نے کہا میری نیت یہ تھی کہ جو کشائش ہوگی وہ تمہیں دوں گا۔ اس نے کہا تجھے اللہ سے شرم نہیں آتی۔ کیا یہ اس کا عوض ہے۔ بھلا تو نے کہیں یہ دیکھا ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لیے کام کرے اور اس کے معاوضہ طلب کرے۔

حضرت امام حسنؓ کا لنگر خانہ ہر خاص و عام کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا اور اس میں نہایت لذیذ کھانے پکائے جاتے تھے۔ جسکی وجہ سے لنگر کا خرچ بہت بڑھ گیا تھا ان اخراجات کو دیکھ کر کسی نے آپؓ سے کہا "لا خیر فی الاسراف" یعنی فضول خرچی میں کوئی نیکی

نہیں ہے۔آپؓ نے فی البدیع جواب میں فرمایا۔ لا اسراف فی الخیر ۔یعنی نیکی میں کوئی فضول خرچی نہیں۔

حضرت وھب بن منبہؒ اپنے شاگردوں کو فرمایا کرتے تھے آؤ ہم اس گناہ سے توبہ کریں جس سے توبہ کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔دریافت کیا جاتا وہ کیا ہے۔فرماتے دنیا کی محبت ۔عنقریب لوگ دنیا کو چھوڑ جائیں گے یہاں تک کہ اس کی اور اہل دنیا کی پرستش کریں گے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں ایک طالب معرفت بہت دوردراز کا سفر کرکے حاضر ہوا۔دیکھا تو ملک التجار ہیں ۔نوابوں کے سے کارخانے ہیں۔امیروں کی سی بارگاہ،نوکر چاکر،حشم وخدم،تزک واحتشام ۔اس شخص نے اپنے دل میں کہا کہ یہاں اللہ پرستی کا کیا مذکور ہے۔لیکن چونکہ دور سے آیا تھا چند دن قیام کیا۔دونوں وقت شیخ کی خدمت میں جاتا ۔ایک روز شیخ کے نام چٹھی آئی کہ فلاں جہاز جس پر لاکھ روپے کا مال تجارت مصر کو جاتا تھا ڈوب گیا یہ سن کر شیخ نے فرمایا ''الحمدللہ'' پھر چند روز کے بعد چٹھی آئی کہ وہ جہاز جو مال تجارت لے کر ڈوبا تھا نکل آیا اور مال کو بھی کچھ نقصان نہیں پہنچا۔شیخ نے سن کر فرمایا۔''الحمدللہ'' تب تو اس طالب سے رہا نہ گیا اور پوچھا۔اگر ارشاد ہو تو ایک شبہ عرض کروں ۔فرمایا کہو اس نے عرض کیا کہ یا حضرت! یہ مال تجارت حلال ہے یا حرام ۔اگر حلال ہے تو اسکے تلف ہونے پر الحمدللہ کہنا کیا معنی اور اگر حرام ہے تو اسکی بازیافت پر شکر کیسا؟ ۔شیخ نے مسکرا کر فرمایا۔مال تو حلال وطیب ہے ۔لیکن شکر نہ تلف ہونے پر تھا نہ بازیافت ہونے پر،جب مجھ کو نقصان ہونے کی خبر موصول ہوئی تو میں نے اپنے دل کی حالت پر نظر کی دیکھوں نقصان نے کیا اثر پیدا کیا غور کیا تو معلوم ہوا کہ دل پر مطلق اثر نہیں ہوا،دل مطمئن تھا کہ مال کی محبت نہیں تھی ۔پھر مال کے دوبارہ مل

جانے پر دل میں مال کے ملنے کی کوئی خوشی نہ ہوئی ۔با زیافت کے وقت بھی دل کا وہی حال پایا پس میں نے دونوں حالتوں میں اس بات کا شکر کیا کہ الحمدللہ دنیا کا سود وزیاں میری نظر میں ہیچ ہے۔

شہنشاہ ھمایوں دلی کی جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھے جانے کے موقع پر شاہجہان بہ نفس نفیس تشریف لائے ۔لاکھوں آدمی اس تقریب سعید پر بادشاہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے جمع ہو گئے ۔بادشاہ نے مجمع عام میں منادی کرائی کہ جس شخص کی نماز تہجد کبھی قضاء نہ ہوئی ہو وہ مجمع عام سے باہر آئے اور مسجد کا سنگ بنیاد رکھے ۔لیکن کوئی شخص نہ نکلا ۔آخر خود بادشاہ نے اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا ۔آپ کی نماز تہجد کبھی قضا نہ ہوئی ۔ اللہ کریم جن کو سعادت بخشتا ہے ان کو دنیاوی ذمہ داریاں، کثرت کار اور حالات گردوپیش بھی مانع عبادت نہیں ہوتے ۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

آپ کی توبہ کا یہ باعث ہوا کہ آپ ایک کنیز پر فریفتہ ہو گئے اور بے قرار رہنے لگے ۔ ایک دفعہ نہایت سردی کی رات میں اپنی محبوبہ کی زیر دیوار صبح تک کھڑے رہے اور تمام رات آپ پر برف باری ہوتی رہی ۔جب صبح کی آذان ہوئی تو آپؒ نے اسے عشاء کی آذان تصور کیا ۔ جب دن چڑھا تو آپ نے خیال کیا کہ میں نے تمام رات محبوبہ کے انتظار میں بسر کر دی لیکن اگر امام نماز میں کوئی لمبی سورت پڑھتا تو دیوانہ ہو جاتا اور شور وفغاں کرتا ۔تیری فطرت سے فریاد بلند ہوتی ۔اے مبارک کے بیٹے ! تجھے شرم آنی چاہیے کہ ایسی مبارک رات تو نے نفس کی خاطر پاؤں پر بسر کر دی اسی وقت آپؒ کے دل میں درد پیدا ہوا ۔آپ نے توبہ کی اور مشغول عبادت ہو گئے ۔ اور اس درجہ کو پہنچ گئے جو خاص خاص بندگان الٰہی کو نصیب ہوتا ہے ۔

اخلاق حسنہ سے تعلق باللہ

(ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی)

اخلاق حسنہ، میں لوگوں کے ساتھ حسن سلوک، اچھابرتاؤ بھی اللہ کے قریب کر دیتا ہے لہذا تعلق باللہ کیلئے ضروری ہے کہ انسان اپنے اخلاق کو درست کرے اس میں حسن پیدا کرے، رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اچھا اخلاق سکھلائیں اور اچھے اخلاق کی بلندیوں تک پہنچا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ:

''میں حسن اخلاق کو پورا کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں''۔

''اخلاق حسنہ'' سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر عبداللہ بن المبارکؒ نے بایں الفاظ کی ہے:

''اخلاق نام ہے خوش روئی کا، مال خرچ کرنے کا اور کسی کو تکلیف نہ دینے کا'' دیکھئے، حسن اخلاق کا دائرہ کتنا وسیع تر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو:

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نہ تو بے حیائی کی بات زبان سے نکالتے، اور نہ بے حیائی کا کام کرتے، اور نہ دوسروں کو بُرا بھلا کہتے اور آپ ﷺ فرماتے تھے: ''تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے اچھے ہیں۔''

اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے اللّٰہ تعالیٰ کی محبت:

اچھے اخلاق و کردار کا مظاہرہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، اور نرمی کو پسند کرتا ہے۔ نرمی پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو کہ سختی، اور اس کے علاوہ کسی دوسری چیز پر عطا نہیں فرماتا۔''

عبدالقیس کا جو وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تھا، اس کے اور آدمی تو مدینہ پہنچتے ہی آپ کی طرف دوڑ پڑے۔ نہ نہایا نہ دھویا اور نہ اپنے سامان کو ٹھیک سے کہیں جمایا، حالانکہ دُور سے آئے تھے، گرد و غبار سے اَٹے ہوئے تھے، ان کے برعکس ان کے سردار نے جلد بازی کا کوئی مظاہرہ نہ کیا۔ اطمینان سے اُترے۔ سامان کو قرینے سے رکھا۔ سواریوں کو دانہ پانی دیا۔ پھر نہا دھو کر وقار کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دی۔ اس پر آپ ﷺ نے اسے فرمایا

''تمہارے اندر دو ایسی (اخلاقی) خوبیاں پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، اور وہ ہیں بردباری (غیر جذباتیت) اور وقار و سنجیدگی۔'' **(صحیح مسلم)**

اچھا اخلاق تکمیل ایمان کا باعث ہے:

اخلاق حسنہ سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''سب سے زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے ہوں۔''

منافق اخلاقِ حسنہ اور تفقہ فی الدین سے عاری رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دو خصلتیں اور عادتیں منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں: اچھا اخلاق اور تفقہ فی الدین (سنن ترمذی)

اچھا اخلاق مومن کے میزان کے وزنی ہونے کا سبب ہے:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''روزِ قیامت مومن کے میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزن میں کوئی چیز نہیں ہوگی، اور بے شک اللہ فحش گو، بدکلام کو پسند نہیں فرماتا۔''

اچھا اخلاق روز قیامت قرب رسول ﷺ کا ذریعہ ہے:

: اچھے اخلاق کی وجہ سے لوگ روزِ قیامت رسول اللہ ﷺ کے قریب ہوں گے۔ جب کہ بداخلاق آپ سے انتہائی دُور رہوں گے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے مجھے سب سے زیادہ محبوب اور روزِ قیامت میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہونگے جو تم میں سے اخلاق میں سب سے زیادہ اچھے ہوں گے۔'' (سنن ترمذی)

اخلاق حسنہ سے انسان اللہ کے ہاں مقام عبدیت حاصل کرلیتا ہے:

تواضع اور عاجزی اخلاق حسنہ میں شامل ہے، کوئی انسان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صفت تواضع کے بغیر عبدیت کے مقام پر فائز نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زمین پر چال و گفتار اور کردار میں عاجزی اپنانے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ میرے بندے وہی ہیں جو عاجزی اختیار کرتے ہیں:

''اور رحمٰن کے نیک بندے وہ لوگ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی کے ساتھ چلتے ہیں ،اور جب نادان لوگ ان کے منہ لگتے ہیں تو سلام کرکے گزر جاتے ہیں۔'' **(الفرقان:۶۳)**

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ ریاکاری میں بیماروں کی طرح چلتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اس طرح چلتے تھے کہ جیسے اوپر سے نیچے اُتر رہے ہوں''۔ (سنن ترمذی)

بلندیٔ درجات:

جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے عاجزی اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرمائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جو شخص اللہ کیلئے ایک درجہ عاجزی اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کردیتا ہے، حتیٰ کہ اسے مقام علیین میں پہنچا دیتا ہے۔''

عمل

(واصف علی واصف)

ہر انسان مصروفِ عمل ہے۔ عمل ہی شاید زندگی ہے۔ حکم ہے کہ انسان کو محنت کرنے والا بنایا گیا۔ انسان محنت کرنے پر مجبور ہے۔ ہر حال سرگرمِ عمل رہنے والا انسان اپنے عمل سے اپنی زندگی کو بہتر بنانے کا خواہاں ہے۔ انسان مقصد کے حصول کے لئے بھاگتا ہے اور بھاگتا ہی رہتا ہے۔ ایک مقصد کی تلاش مختلف مقاصد کی آرزو بن کر عمل کی معنویت کو بے معنی کر دیتی ہے۔ ہم اپنے عمل کو صحیح مانتے ہیں، لیکن عمل کے نتائج کی ذمہ داری قبول نہیں کرتے۔ انسان عمل کی، کوشش کی، جدوجہد کی چکی تلے پِستا جا رہا ہے۔ اسے معلوم نہیں کہ اس کے پاؤں اسے کہاں لے جا رہے ہیں دفتر سے دفتر تک، آخر کب تک؟ زندگی میں عمل جاری ہے۔ کولہو کا بیل چل رہا ہے۔ چلتے چلتے عمر کٹ جاتی ہے اور فاصلہ طے نہیں ہوتا۔ ضرورتیں اور تقاضے بدلتے رہتے ہیں اور اس طرح عمل بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ انسان پلاننگ کرتا ہے مستقبل کی، روشن مستقبل کی، لیکن جب وہ مستقبل حال بنتا ہے، تو شاید اتنا روشن نہیں ہوتا۔ انسان اپنے عمل کو بدلتا ہے اور اس طرح ایک نئے دائرے میں داخل ہوتا ہے اور پھر وہی نتیجے اور پھر نیا عمل ۔۔۔ یوں زندگی کٹ جاتی ہے۔ انسان سوچتا ہے کہ آخر اس تگ و دو کا مقصد کیا تھا؟ ہمیں بچپن سے تعلیم دی جاتی ہے کہ محنت کرو۔ بڑے آدمی بنو ۔۔۔ اس تعلیم کی وجہ سے انسان کوشش کرتا ہے۔ اپنے قد سے بڑا ہونے کی آرزو میں لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ کوشش اور مجاہدہ بہت کچھ دے سکتا ہے، لیکن ایک گدھے کو کوئی مجاہدہ گھوڑا نہیں بنا سکتا۔ ہر زندگی اپنی حدود میں مقید ہے۔ ہر انسان اپنے دائرۂ عمل میں رہن رکھ دیا گیا ہے۔ انسان پابند ہے، محدود ہے۔ آرزو پابند نہیں، اس لئے محدود انسان کا لامحدود خواہشات کے لئے عمل کہیں نہ کہیں راستے میں دم توڑ دیتا ہے اور انسان مسلسل عمل کرنے کے باوجود خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہیں کر سکتا۔ انسان شہرت کے لئے عمل کرتا ہے، ناموری کی آرزو

نے بڑے بڑے قافلے لوٹے ہیں ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ لوگ بڑے نامور تھے ،لیکن ہم غور نہیں کرتے کہ ایک نامور کے دور میں اس کے گرد و پیش لاکھوں غیر مشہور انسان بھی اسی قسم کے عمل میں مصروف تھے ۔بابر کی فتح ابراہیم لودھی کی شکست بھی ہے ۔ہم فتوحات کرنے والوں کو دیکھتے ہیں اور شکست کھانے والوں کو نظر انداز کرتے ہیں ۔ہم نامور لوگوں جیسا عمل کرتے ہیں ،لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ یکساں عمل دو انسانوں کے لئے یکساں نتائج نہیں مرتب کرتا ۔پیغمبروں جیسا عمل ہمیں پیغمبر نہیں بنا سکتا ۔میری کربلا ،ہماری کربلا امام حسینؓ جیسی کربلا نہیں ہوسکتی ۔میں آج کے دور کا انسان خواہشات نفس اور تقلید کے حصار میں ہوں ۔مجھے میرا عمل وہ نہیں دے سکتا جو ہمارے پیشرووں کو دے گیا ۔میں سقراط جیسا علم رکھنے کا عمل کروں ،تو بھی سقراط نہیں بن سکتا ۔میرا عمل ان کے عمل کے برابر ہو تو بھی میرا مقام ان کے مقامات سے مختلف رہے گا یہی عمل کی خامی ہے اور یہی عمل کی خوبی بھی ۔

جہاں اللہ کریم کا حکم ہے کہ انسان اپنی سعی سے ہی کچھ حاصل کرتا ہے وہاں اس کے احکام کے اور رخ بھی ہیں ۔عمل کا جذبہ بھی اس کی عطا ہے اور پھر عمل کی راہ میں کتنے حادثات آتے ہیں کتنے ہی واقعات ہیں ۔ ہمارا عمل درست بھی ہو تو ممکن ہے کہ کسی اور کج رو کا عمل ہمارے عمل کے نتیجے کو ختم کردے ۔ہم تنہا زندگی بسر نہیں کر رہے ۔ہمارے ساتھ ایک زمانہ چل رہا ہے ۔ہر آدمی عمل کر رہا ہے ۔ ہمارے عمل کی راہ میں دوسروں کے اعمال حائل ہوتے ہیں اور پھر نتیجہ وہی رہتا ہے کہ ہم نتیجے سے محروم ہوجاتے ہیں ۔طاقتور بادشاہوں کو کمزور عوام ایک جنبش میں اڑا کر رکھ دیتے ہیں ۔آج میرا عمل پیشرووں نے بھی مسدود کر رکھا ہے ۔قرآن وحدیث کے مقدس حوالوں تک ہی بات رہتی تو مبارک تھی لیکن اب بات آگے نکل گئی ہے ۔امام غزالیؒ سے لے کر حالی تک اور رفقاء سے لے کر ہمارے اپنے رفقاء تک ہر انسان صاحب ارشاد ہے اور ان کے ارشادات نے ہمارے عمل کی آزادی پر پہرے بٹھائے ہوئے ہیں ۔مجھے میرے عمل نے صرف تقلید سکھائی ہے ۔میری آزادی صرف میری خامشی ہے ۔امام غزالیؒ کو غزالی بننے کے لئے

کسی اور غزالی کی تقلید ضروری نہ تھی۔ سقراط، سقراط تھا، ہر چند کہ اس سے پہلے اور کوئی اس جیسا نہ تھا تقلید کا عمل بے ثمر رہتا ہے۔ فطرت کو منظور نہیں کہ سب لوگ سقراط ہی بنتے جائیں۔ عمل اور شے ہے اور نصیب چیز ے دیگر۔ ایک راہ پر چلنے والے، ایک جیسا عمل کرنے والے، الگ الگ نصیب لے کر آتے ہیں۔ بے عملی مقصود نہیں صرف یہ وضاحت مراد ہے کہ اپنی حدود کو پہچانے بغیر عمل میں داخل ہونا ہلاکت کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ انسان ہزار محنت کرے، بغیر وجدان کے شاعر نہیں ہو سکتا اور جسکو وجدان عطاء ہوا، وہ محنت کے بغیر بھی شاعر ہے اور یہ وجدان محنت سے حاصل نہیں ہوتا۔ ہم نے تاریخ میں بادشاہوں کو کرب و اندیشے میں مبتلا دیکھا ہے۔ سکندرِ اعظم عظیم تھا، مگر بے وطن مرقد کا مسافر تھا۔ صاحب منزل بھی عمل کرتا ہے اور بھٹکا ہوا راہی بھی محنت کرتا ہے۔ ہمارا عمل گناہ اور ثواب کرتا ہے۔ ہمارا عمل ہمیں آسانیاں بھی عطاء کرتا ہے اور دشواریاں بھی۔ گلاب گلاب ہے، عمل کرے یا نہ کرے کانٹا کانٹا رہے گا چاہے کتنی ہی محنت کرے عظیم انسان فطرت کا عمل ہیں۔ ان کا اپنا عمل انہیں عظیم نہیں بناتا۔ پیغمبر بننے کا کوئی عمل نہیں۔ یہ منصب عطاء ہے امام عمل سے نہیں، نصیب سے ہے ارشادِ ربانی ہے کہ "ہم جسے چاہتے ہیں ملک دیتے ہیں اور جسے چاہتے ہیں معزول و محروم کر دیتے ہیں"۔ عمل بہانہ ہے، مقدر اٹل ہے۔ عقل اور نصیب نہ ہوں تو عمل جہالت ہے۔ ریت میں ہل چلایا جائے بیج بویا جائے اور اسے پانی کے بجائے چاہے خونِ دل ہی سے کیوں نہ سینچا جائے وہاں کچھ نہ اُگے گا۔ عمل ہے، لیکن نتیجہ نہیں ہے عمل سے زندگی میں جنت اور جہنم حاصل ہونے کا دعویٰ ہے، لیکن ہر عمل زندگی حاصل نہیں کرتا۔

ہر صاحب عمل جنت میں نہیں جاتا۔ ہر گناہ جہنم میں نہیں پہنچاتا۔ اس میں قدرت کا دخل ہے۔ اس مالک کا دخل ہے جس نے بغیر کسی عمل کے مکھی کو شہد عطا کیا، جس نے سورج کو روشن بنایا جس نے غریبوں کو شاہ اور شاہوں کو گدا بنایا۔ اس میں عمل شامل نہیں۔ وہی ذروں کو آفتاب بناتا ہے۔ محنت کو نتیجے عطا کرتا ہے۔ خوب صورت چہرہ بغیر کسی عمل کے حاصل ہوتا ہے۔ محبت بغیر کسی عمل کے حاصل ہوتی ہے اور پھر سکون قلب اس کی عطاء ہے اس کے حصول کا کوئی عمل نہیں۔

عمل سے غریبی دور نہیں ہوتی۔غریب انسان کتنا عمل کرتا ہے۔مزدور کتنی محنت کرتا ہے ایک ہی دفتر میں تمام لوگ ایک جیسا ہی عمل کرتے ہیں۔ایک جیسے اوقات میں حاضر ہوتے ہیں اور نتیجے مختلف ہوتے ہیں۔تنخواہیں الگ الگ ہیں،راہیں الگ الگ،لیکن محنت کے اوقات یکساں ہیں۔ایک مارکیٹ میں ایک جیسے دوکان والے ایک جیسا سامان رکھنے والے الگ الگ نتیجے سے گزرتے ہیں۔جہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے وہاں بیٹا پیدا ہوسکتا ہے۔لیکن ایسا نہیں ہے کسی برے عمل کے بغیر بھی انسان بدنام ہوسکتا ہے۔اکثر محروم انسان کہتے ہیں کہ انہوں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ان کی معصومیت کو سزا ملی ہے۔ایسے ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔پیغمبروں پر الزام لگے ہیں،ان کو قید خانوں سے گزرنا پڑا ہے،بغیر کسی برے عمل کے۔اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے مرتبوں پر فائز رہنے والے اتنے اہم نہیں ہوتے،ان کا عمل اتنا معتبر نہیں ہوتا،لیکن ان کا مرتبہ معتبر رہتا ہے۔ایسا کیوں ہے؟بس ہے۔بے سبب ہے،بے جواز ہے۔عمل بہت کچھ ہے، لیکن یاد رہے کہ عمل سب کچھ نہیں۔سالہا سال اور قرنہا قرن کی عبادت ابلیس کو ندامت کے علاوہ کیا دے سکی۔ظلمات سے نور میں داخل ہونے کا کوئی عمل نہیں۔یہ خود خالق کا عمل ہے۔ہمارا عمل ہمیں معتبر نہیں کرتا۔اس کا فضل عزت بخشتا ہے۔معاف کرنے والے کے لئے گناہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے نیکی کا غرور محرومیوں کا پیش خیمہ بھی ہوسکتا ہے۔

زندگی کی اساس عمل نہیں،فضل ہے،ہم لوگ فوری نتیجوں پر غور کرتے ہیں اور اس طرح انتہائی نتائج سے بے خبر رہتے ہیں۔جھوٹے معاشرے میں عزت دراصل بدنامی ہے۔ہم نہیں سمجھتے کہ اصل عمل اس کے فضل کے حصول کا نام ہے اور اس کا فضل کسی فارمولے سے حاصل نہیں ہوتا۔

نیت کی اصلاح ہو تو عمل میں خلوص پیدا ہوسکتا ہے اور عمل کا خلوص نیتوں سے بے نیاز ہے نیکی کے سفر میں جہاں بھی آخری سانس آئے وہی منزل ہے۔

ہمارا نظامِ حیات،نظامِ تعلیم اور نظامِ فکر ہمیں صرف عمل میں مصروف رکھتا ہے۔ عاقبت کی کوئی گارنٹی نہیں۔نتیجے عارضی ہیں۔مرتبے،آسائشیں،شہرتیں اور اختیارات گمراہی کے

مقامات بھی ہو سکتے ہیں ۔ایسا عمل تلاش کیا جائے جو ہمیں بھی پسند ہو اور ہمارے مالک کو بھی ۔ ورنہ نتیجہ ہلاکت اور گمراہی ہے ۔احسن عمل اصلاحِ باطن کے ساتھ حسن حیات کا حصول ہے ۔ زندگی میں راہیں بدلنے کا وقت نہیں ۔ پہلے ہی سے صحیح راستے کا انتخاب کیا جائے اور اس پر صحت عمل سے گامزن ہو کر اس کے فضل کا آسرا تلاش کیا جائے ۔یہی منشاء ہے اس حکم کا کہ "اے انسان! تو محنت کے لئے پیدا کیا گیا ۔اب اپنے رب کے راستے کی طرف محنت کر"۔کہیں ایسا نہ ہو کہ ناعاقبت اندیشی میں ہمارا عمل اس بڑھیا کی طرح ہو، جس نے راتوں کو جاگ جاگ کر سوت کاتا اور انجام کار اسے خود ہی الجھا دیا۔

فرمودات قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ

اعمال کی ذمہ داری: اللہ تعالیٰ کی دوسری مخلوق کے مقابلہ میں انسان کا مقام ایک عاقل ، بالغ اور ذمہ دار ہستی کا ہے ۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں سے نواز کر اِسے دوسری مخلوق پر فضیلت بخشی ۔اِس کی روح کے اندر تفتیش، تحقیق، تسخیر اور تعمیر کا قوی جذبہ سمو دیا اور ساتھ ہی اِسے حسن و جمال کا گہرا شعور دے کر عشق و محبت سے لبریز دل بھی بخشا تاکہ وہ خاکی و نوری عوالم کو تسخیر کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کی محبت کے سفر میں بھی ترقی کرتا چلا جائے ۔اِنسان کو سوچنے سمجھنے کی قوت اور خود فیصلہ کرنے کا اختیار اور عمل میں اِنتخاب کی آزادی سے بھی نوازا گیا ہے ۔ یہ آزادی ہی انسان کا امتحان ہے اور اِسی کی وجہ سے دُنیوی قوانین میں بھی اِسے اپنے اعمال کا ذمہ دار گردانا جاتا ہے اور آخرت میں بھی جزا و سزا کا مستحق ٹھہرے گا۔

(اقتباس از مقصود حیات)

امانت میں خیانت

(پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی)

امانت کا تصور بہت وسیع ہے۔امانتوں سے مراد ہر وہ امانت ہے جو اللہ تعالٰی کی طرف سے یا معاشرہ کی طرف سے کسی فرد کی طرف سے کسی شخص کے سپرد کی گئی ہو۔خواہ یہ امانت منصب سے تعلق رکھتی ہو یا اقوال یا اموال سے۔ان سب کی پوری پوری نگہداشت ضروری ہے۔علاوہ ازیں امانتوں سے مراد وہ تمام عہد،معاہدے اور ذمہ داریاں ہیں جو کسی انسان پر عائد کی گئی ہوں۔مثلاً اللہ سے انسان کا عہد،عہد میثاق بھی ہے۔یا معاہدہ بیع یا نکاح وغیرہ سب کی پاسداری ضروری ہے۔سب سے بڑی اللہ کی طرف سے امانت جو ہر انسان کے پاس موجود ہے،جس سے کوئی انسان بھی مستثنٰی نہیں ہے وہ انسان کا وجود اور اس کی زندگی ہے،اس کے اعضاء و جوارح ہیں،اس کے اوقات ہیں۔کیا کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں ان اعضاء،آنکھ،کان،ناک،زبان،ہاتھ،پاؤں کا مالک ہوں! اور جس طرح چاہوں استعمال کروں!ایسا ہرگز نہیں،بلکہ یہ تمام اعضاء اللہ نے ہمیں بطور امانت دیئے ہیں۔اور اس امانت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے وجود کو،ان اعضاء کو،اپنی صلاحیتوں وتوانائیوں کو،اوقات کو صرف اس کی مرضی کے مطابق استعمال کریں اور اسکے احکامات کے برعکس استعمال کریں گے تو خیانت کے مرتکب ہوں گے۔

جو شخص ناپ تول میں کمی کرتا ہے،کوئی آٹھ گھنٹے کا ملازم ہے،اور اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا تو یہ امانت میں خیانت ہے۔قرآن میں اس کی بڑی وعیدیں آئی ہیں۔اس کا لحاظ کرنا چاہیے۔اسی طرح آنکھ بھی اللہ کی طرف سے عطا کردہ امانت ہے۔جس کے ذریعہ انسان دنیا کے نظارے کرتا ہے اور لطف اندوز ہوتا ہے لیکن جب اللہ کی طرف سے منع کردہ چیزوں یعنی نامحرم پر نگاہ ڈالے گا تو گویا اس اللہ کی امانت میں خیانت کی۔اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے کہ

یَعْلَمُ خَائِنَةَ الْاَعْیُنِ یعنی اللہ تعالٰی آنکھوں کی خیانت کو جانتے ہیں۔دوسری جگہ قرآن

میں فرمایا کہ مومنوں کو چاہیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔اگر آنکھ کی اس امانت اور نعمت کو صحیح طور پر استعمال کریں گے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے حصول کا سبب ہوتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک شخص باہر سے گھر میں داخل ہوا اس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ان پر اپنی رحمت کی نگاہ ڈالتے ہیں۔اسی طرح والدین کے چہروں کو بھی محبت سے دیکھنا اللہ کی رضا کا سبب ہے گویا اس امانت کا صحیح استعمال کیا گیا۔ایسے ہی کان بھی ایک امانت ہے، زبان بھی امانت ہے بلکہ پورا جسم، پوری زندگی امانت ہے۔زندگی کا ہر قول و فعل امانت ہے۔ملازمت کے اوقات، املاک و اشیاء امانت ہیں ان کی خیانت کرنے پر سزا کا مستحق ہوگا۔مجلس میں ہونے والی گفتگو امانت ہے، راز کی باتیں بھی امانت ہیں بلکہ مشورہ بھی امانت ہے،ٹیلیفون یا موبائل پر گفتگو کو خفیہ طریقہ سے سننا اور ٹوہ لگانا یہ سب امانت میں خیانت ہیں۔امانت میں خیانت اور وعدہ خلافی دونوں ایسے جرم ہیں جنہیں حضور نبی کریم ﷺ نے منافق کی علامتیں قرار دیا ہے۔ حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھیں تو خیانت کرے۔(رواہ بخاری)

خاص نصیحت: حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جس کے اندر امانت نہیں، اس کے اندر ایمان بھی نہیں''۔ کتنی بڑی وعید ہے۔ہماری پوری زندگی یعنی وقت ہمارے پاس امانت ہے، ہم سے ایک ایک لمحہ کے بارے میں پوچھا جائے گا۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ میدان حشر میں پانچ سوالوں کی جوابدہی ہوگی 1- اس نے اپنی زندگی کن کاموں میں لگائی۔
2- اپنی جوانی کن کاموں میں کھپایا۔ 3- مال و دولت کن ذرائع سے حاصل کیا۔
4- مال و دولت کن کاموں میں خرچ کیا۔ 5- اور جو علم حاصل تھا اس پر کہاں تک عمل کیا۔
کس قدر خوش نصیب ہے وہ جوان سوالوں کی روشنی میں شعور کی زندگی امانت کی

پاسداری میں گزار رہا ہے۔

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا: دیانت سے صرف یہ مراد نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی چیز تمہارے پاس امانت رکھے تو اس کو بجنسہ واپس کر دو۔ دیانت یہ ہے کہ جس چیز پر تمہارا حق نہیں اس کو چھوؤ تک نہیں اور کسی طرح مل جائے تو ہرگز استعمال میں نہ لاؤ۔ دیانت یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص تمہارے توسل سے کسی کو کوئی پیغام بھیجے تو اس طرح پہنچاؤ کہ الفاظ اور لہجہ بھی بالکل ایسا ہی رہے، جو پیغام دینے والے کا تھا۔ دیانت یہ بھی ہے تمام حقوق اللہ، حقوق نفسی اور حقوق العباد کو کما حقہ ادا کرو۔ دیانت یہ بھی ہے کہ اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح ادا کرو۔ جتنے وقت تک کام کرنے کی تنخواہ یا اجرت ملتی ہے اس وقت میں اپنا یا کسی اور کا کوئی کام نہ کرو۔ کام بے دلی سے نہ کرو، خالی وقت نہ گزارو، بیگار نہ ٹالو بلکہ اس کام کو جس کی اجرت ملتی ہے پورے جوش، سرگرمی اور پوری قابلیت سے سرانجام دو۔

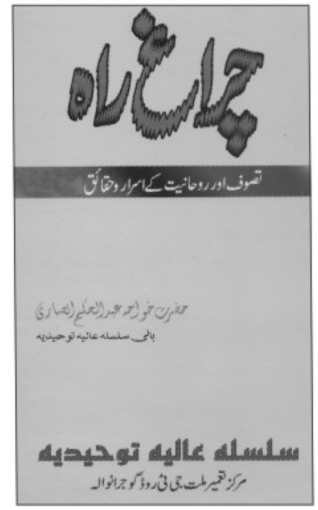
دعائے مغفرت

اسلام آباد سے ہمارے پیر بھائی محمد یوسف سیٹھی
ملتان سے خالد محمود بخاری کے ماموں سید احمد شاہ
حافظ عبدالکریم کی خوشدامن، اسد دلشاد کے والد
چوک اعظم سے پروفیسر محمد شبیر شاہد کے سسر سلطان محمود
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں اللہ ان کی مغفرت فرمائے

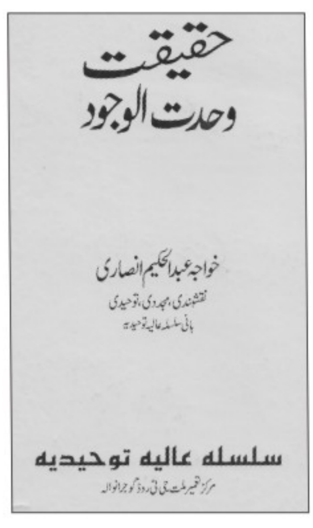
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ

مرحومین کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا کی اپیل ہے

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

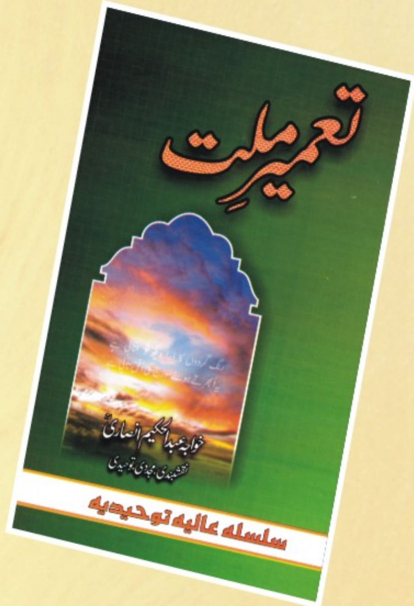


کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔ سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔ زوال اُمت میں اُمراء، علماء، صوفیاء کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔ تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

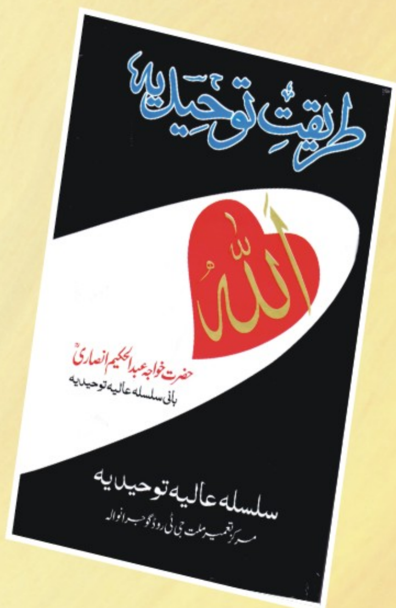


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔ مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں: ۔حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبّت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com